مارچ ۲۰۱۸ء / جمادی الآخرۃ ۱۴۳۹ھ

... اور یہی عقل کی عبادت ہے !!

"نبوت کو تسلیم کر لینے کے بعد عقل اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہے، اور یہی عقل کی عبادت ہے، جیسے ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ اللہ کی عبادت کرتا ہے، سر کی عبادت جھکنا ہے، بدن کی عبادت قیام ہے، پاؤں کی عبادت نیک کام کی طرف چلنا ہے، ہاتھ کی عبادت اچھے کام کرنا ہے، آنکھوں کی عبادت اللہ کی قدرت میں غور کرنا ہے، کان کی عبادت نصیحت کو سننا ہے، دماغ کی عبادت نارسا جگہوں میں اپنے تصرف کو چھوڑنا ہے، اور اللہ کے حکم کو تسلیم کرنا ہے۔ اس کی واضح تر مثال یہ ہے کہ ابلیس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ سجدہ کا حکم دینے والا اللہ ہے اس کے باوجود اس نے اپنی عقل کو دخل دیا، اس وجہ سے اللہ کے دربار سے دور ہوا، اور سو ایسے لوگ کبھی ہدایت نہیں پاسکتے جو ایسے موقع پر عقلی قوی کو صرف کرتے ہیں"۔

(حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ،
فتاوی اہل حدیث روپڑی: ۳۵۳/۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ید اللہ علی الجماعة

حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان

ماہنامہ

الجماعة

خصوصی شمارہ

مارچ ۲۰۱۸ء / جمادی الآخرة ۱۴۳۹ھ

بدل اشتراک......فی شمارہ: **15** روپئے • سالانہ: **150** روپئے

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو۔ ایل. بی. ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.

Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com

نگـــــارشـــات

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔

حلقۂ قرآن

درس قرآن

محمد ایوب اثری

(لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ)(الانبیاء:۱۰)

ترجمہ : یقیناً ہم نے تمہاری جانب ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے۔

تشریح : اس آیت کریمہ کے ذریعہ اللہ رب العزت نے ہمیں اپنی آخری کتاب (قرآن مجید) کی طرف رجوع ہونے کی تلقین کی ہے جس میں صرف ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ ساری انسانیت کیلئے نصیحت اور عبرت کی چیزیں موجود ہیں۔

قارئین کرام : قرآن مجید وہ آئینہ جس میں مختلف عقائد، افکار وخیالات، متفرق اخلاق واعمال اور سیرت وکردار کے لوگ اپنا اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں اس میں کہیں صراحتاً کہیں اشارۃً گذشتہ قوموں کے حالات وواقعات ملتے ہیں اور کہیں براہِ راست قرآن کے مخاطب افراد کا تذکرہ موجود ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب ''قیام اللیل'' میں جلیل القدر تابعی اور حلم وبردباری میں ضرب المثل سردار احنف بن قیس کا ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ بیان کیا ہے جس سے اس آیت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور سلف کے زاویۂ نگاہ اور تدبر قرآن کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت احنف بن قیس ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ انہیں یہ آیت سنائی دی کہ (لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ) یہ آیت سن کر وہ چونک پڑے اور فرمایا کہ ذرا قرآن مجید لاؤ میں اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں کہ میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور کن سے میری مشابہت ومماثلت ہے، انہوں نے قرآن مجید کھولا اور پڑھنا شروع کیا تو ان کے سامنے کچھ اس طرح کے لوگوں کا ذکر گذرا جن کی یوں تعریف کی گئی تھی:

(كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ)(ذاریات:۱۷-۱۸) یعنی وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے (یعنی پوری رات سوکر غفلت اور عیش وعشرت میں نہیں گذارتے تھے بلکہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں گذارتے تھے) اور حدیث میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام''(مسند احمد) اے لوگو! سلام کو عام کرو لوگوں کو کھانا کھلاؤ صلہ رحمی کرو اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

(اسی طریقے سے وقت سحر قبولیت دعا کے بہترین اوقات میں سے ہے حدیث میں آتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسماء دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور

ندا دیتا ہے کہ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں کوئی سائل ہے کہ میں اس کے سوال کو پورا کردوں یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے)(مسلم)

اور کچھ لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں ملا: (الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) (آل عمران: ۱۳۴) جولوگ آسانی میں اور سختی کے موقع پر بھی (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں۔ حسب توفیق ہر حالت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور لوگوں سے عفوودرگذر کرنا ان کے مزاج وطبیعت کا حصہ ہے نہ کہ انتقام اور بدلہ لینا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے: ''مانتقم لنفسہ قط الا ان تنھک حرمات اللہ'' (بخاری) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کیلئے کبھی بدلہ نہیں لیا ہاں اللہ کی حرمتوں کا توڑا جانا آپ کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ وہ یہاں پہونچ کر ٹھٹک کر رہ گئے اور کہا اے اللہ میں اپنے حال سے واقف ہوں میں تو ان لوگوں میں نظر نہیں آتا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرا راستہ لیا اب ان کو کچھ لوگ نظر آئے جن کا حال یہ تھا۔(اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ) (صافات:۳۵-۳۶) ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں؟ پھر ان لوگوں کا سامنا ہوا جن کی حالت یہ تھی: (وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ)(زمر:۴۵) جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا (اوروں کا ذکر) کیا جاتا ہے تو ان کے دل کھل کر خوش ہوجاتے ہیں۔ یہاں بھی پہونچ کر وہ تھوڑی دیر کیلئے حیرت واستعجاب میں ڈوب کر کہنے لگے اے اللہ ان لوگوں سے تیری پناہ میں ان لوگوں سے بری ہوں۔

اب وہ قرآن مجید کے ورقوں کو الٹ رہے تھے اور اپنا تذکرہ تلاش کررہے تھے یہاں تک کہ اس آیت پر جا کر ٹھہرے: (وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) (توبہ:۱۰۲) اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہیں جنھوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا ہاں ہاں یہ بے شک میرا حال ہے یا میرا تذکرہ ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے فرمایا: (وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔــلُوْنَ) (زخرف:۴۴) اور یقینا یہ (خود) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے۔

اخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی قرآن وسنت کی روشنی میں خود احتسابی کی زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یا رب العالمین)

❖ ❖ ❖

اداریہ

جماعتی نظام میں اصولوں کی اہمیت؟

محمد مقیم فیضی

جماعت اہل حدیث کا دعوی ہے کہ وہ سب سے درست عقیدہ ومنہج والی جماعت ہے۔اور عقیدہ ومنہج کا اثر یقینا اخلاق وتعامل پر پڑتا ہے جو عام زندگی میں صاف نظر آتا ہے، اسی لئے صحابہ کرام کو دیکھ کر لوگ مسلمان ہوجاتے تھے، اپنے ملکوں کی کنجیاں ان کے حوالے کردیتے تھے، اپنے ملکوں سے ظلم کا خاتمہ کرنے کے لئے انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دیتے تھے اور تعاون کا وعدہ کرتے تھے اور بالفعل ایسا ہوتا بھی تھا۔لہٰذا اس دعوے کو نبھانے اور سچ ثابت کرنے کے لئے جماعت اہل حدیث کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، اسے یہ ماننا ہوگا کہ اندر کے اخلاص کا اثر باہر ضرور ظاہر ہوتا ہے، ایمانی تربیت اپنی علامتیں اور نشانیاں ضرور چھوڑتی ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جماعت افراد ہی سے بنتی ہے اور افراد ہی جماعت کے نمائندے اور ترجمان ہوتے ہیں اس لئے افراد کے اخلاق اور تعامل سے ہی جماعتوں کو آنکا اور پرکھا جاتا ہے۔لہٰذا ہمیں یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات وہدایات اور مرغوبات و مطلوبات کی روشنی میں ہمارے اخلاق کا عالم کیا ہے؟

حلم واناۃ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ: ”إن فيك خصلتين يحبهما الله : الحلم والأناة“ تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں: بردباری اور وقار وتمکنت (غور وتامل اور سوجھ بوجھ کے ساتھ کوئی قدم اٹھانا)۔ یہ دونوں خصلتیں جماعتی اور اجتماعی زندگی کے لئے خصوصی طور پر بہت اہم ہیں۔ کیونکہ ناصبری طیش، عدم برداشت، عاجلانہ فیصلے اور عواقب وانجام پر غور کئے بغیر کئے جانے والے اقدامات اکثر شرمندگی کا باعث ہوتے ہیں اور آدمی ان کی وجہ سے خود اپنا وقار اور دوسروں کی عزت بھی داؤں پر لگادیتا ہے۔آسانی سے حل ہونے والے مسئلے انتہائی پیچیدہ اور مشکل ہوکر قابو سے باہر ہوجاتے ہیں اور انسان کو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے۔

اگر فیصلہ کرنے سے پہلے غور کرلیا جائے، استخارہ کرلیا جائے، سنجیدہ افراد اہل علم وفضل اور سوجھ بوجھ رکھنے والوں سے مشورے کرلئے جائیں اور غیر جانبدارانہ طور پر ان کے مشوروں پر غور کرلیا جائے، غصہ پر قابو پالیا جائے، انتقامی جذبات کو سرد کرنے کی کوشش کی جائے تو الحمدللہ اس کے نتائج ہمیشہ اچھے برآمد ہوتے ہیں۔

مصالح ومفاسد اور امکانات کا پیشگی جائزہ لینا :

کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے فائدے اور نقصان پر ضرور غور کرلینا چاہیے۔امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا عمل بھی اس ضابطے سے مستثنیٰ نہیں ہے، اگر اصلاح کے عمل میں بھاری فساد کا اندیشہ ہو اور اصلاح کا حصول بھی حددرجہ مشکوک ہو تو دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ توقف اور انتظار کیا جائے اور وقت سے پہلے کوئی ہنگامہ یا بلبلہ نہ کھڑا کیا جائے ورنہ نصوص کی دلالت کے ساتھ تجربات بھی بتاتے ہیں کہ انجام اچھا نہیں ہوتا ہے۔ایک

بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عوام اور خواص میں فرق ضرور ہونا چاہیے، ورنہ اگر خواص بھی عوام جیسی سوچ کے حامل ہو جائیں اور جذبات کے پیچھے بھاگنے لگیں تو پھر امت کی خیر نہیں ہوتی ہے۔

تواضع کی ضرورت اور کبر سے گریز: ضد، انانیت اور عجب و کبر کسی بھی فرد اور جماعت کے لئے مذموم خصلتیں ہیں اس لئے ان سے گریز میں ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اور اس ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ہر قوم یا جماعت کو کچھ بڑوں کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس ضرورت کی تکمیل کے بغیر اس کی گاڑی کامیابی سے آگے نہیں بڑھ سکتی ہے۔ مگر بڑوں کو اپنی بڑائی کی حفاظت للہ فی اللہ کرنی چاہیے جس کے لئے سب سے اہم ضرورت تواضع کی ہے۔ بڑوں کو چھوٹوں اور ماتحتوں کا اہتمام کرنا چاہیے، ان کے جذبات کی قدر کرنی چاہیے، اگر وہ اصلاح طلب ہوں تو ان کی اصلاح کی فکر ہونی چاہیے۔ ان کی معنویتوں کی تعمیر و ترقی پر خصوصی توجہ صرف ہونی چاہیے۔ مشوروں کی تحقیر اور آراء کی تنقیص سے گریز ہونا چاہیے، اور اگر کوئی رائے نامعقول اور نامناسب ہو تو اسے حکمت سے دفع کرنا بہتر ہے۔ ہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی کبھی وقت سختی کا بھی تقاضا کرتا ہے مگر یہ دائمی وصف نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری طرف چھوٹوں کو بھی للہ فی اللہ بڑوں کی بڑائی کو تسلیم کرکے ان کی توقیر کرنی چاہیے اور جماعتی نظم کی بقا کے لئے ان کی ہدایات کو اہمیت دینی چاہیے، عوامی پیمانے پر ان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو اچھالنے اور ان کے متعلق افواہیں پھیلانے سے گریز کو دیانت داری کا تقاضا سمجھنا چاہیے اور مسائل کے حل کے لئے جو پلیٹ فارم مقرر ہیں وہیں انہیں حل کرنا چاہیے، تجربات کی یہ شہادت ہے کہ ان کا موثر اور مفید حل ہمیشہ وہیں دستیاب ہوتا ہے گو اس میں تھوڑی تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔

جو اپنے لئے چاہتے ہیں اسی کی گنجائش دوسروں کے لئے بھی رکھیے:

اگر آپ خود کو مخلص سمجھتے ہیں تو ہر حال میں دوسروں کی نیتوں کو موضوع بحث کیوں بنائیں؟ اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ سے حسن ظن رکھیں، بدگمانیوں کو راہ نہ دیں تو پھر دوسروں سے ہمہ وقت بدگمانی کب قرین انصاف ہوگی؟ ہر شخص اپنے لئے یہی چاہتا ہے کہ لوگ بلا بتائے اس کے تصرفات اور اقدامات میں عذر تلاش کرلیا کریں اور اس کی معذرتوں کو معقول سمجھ کر بلا کسی حیل و حجت اور بحث و تکرار کے قبول کرلیں تو پھر دوسروں کے لئے یہی گنجائش کیوں نہیں باقی رکھی جاتی، دوسرا ہر حال میں محل تہمت والزام کیوں ہوتا ہے؟ اس کے متعلق حسن ظن کیوں جائز نہیں ہوتا ہے؟ اگر آپ کے ساتھ بھلائی کرنے والے محسنین موجود ہیں تو دوسروں کے ساتھ کیوں نہیں ہو سکتے؟ یہ بھی تجربات نے بارہا ثابت کیا ہے کہ اگر آپ نے دوسروں کی عزت کو متاع بازار کیا تو پھر اپنی آبرو کو چوراہوں تک پہنچنے سے آپ روک نہیں سکتے ہیں۔ اگر آپ نے خاص مسائل کو عوامی بنایا تو عوامی جرأت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی ہے، بعد میں اگر آپ چاہیں کہ وہ ضابطوں کے پابند رہیں، اخلاقی اقدار کی پاسداری کریں، اپنے حدود کو پہچانیں، سب کی پگڑی نہ اچھالیں کم از کم میری چھوڑ دیں تو حضور یہ آپ کی خام خیالی ہے۔ یہ پبلک ہے، جب منہ زور سیلاب ایک بار باندھ توڑ کر بہہ نکلتا ہے تو پھر اس پر بندش قائم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ غیر تربیت یافتہ ذہنوں کو منفی تبصروں اور حیا کی سرحدوں کو پھلانگ جانے والے الفاظ سے بڑا لطف آتا ہے اور وہ رضا کارانہ اس کی نشر و اشاعت کرتے ہیں، ان کے یہاں آبرو اور وقار کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے۔ وقتی طور

پر وہ آپ کی پیٹھ ضرور تھپتھپاتے ہیں مگر جب الٹی گنتی شروع ہوتی ہے تو پھر وہ آپ کو بھی بخشنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے عوام کی شاباشی کا کبھی اعتبار نہ کیجیے۔

زبان کی حفاظت حکمت کی بڑی علامت ہے : پہلے تولو پھر بولو یہ حکمت زبان اور قلم دونوں کے لئے بہت اہم ہے۔ احادیث مبارکہ میں زبان کی حفاظت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور زبان کو بے لگام چھوڑ دینے پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ بسا اوقات سارے کئے کرائے پر یہی زبان ہی پانی پھیر دیتی ہے، ایک لفظ انسان کو ستر خریف جہنم کی گہرائیوں میں لے جا سکتا ہے۔ مگر آج ہماری زبانیں ہر قید و بند سے آزاد ہیں، ان کی کامیابی اسی میں سمجھی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دلوں کو ٹھیس پہنچائیں اور اپنی بگڑی ہوئی انانیت کی تسکین کا وسیلہ بنیں۔ اپنے مخالف کے لئے خواہ وہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو سارے پست الفاظ روا سمجھے جاتے ہیں، ذہنوں کو اس قدر بگاڑ دیا گیا ہے کہ سوقیانہ زبان اظہار کمال کا ذریعہ سمجھی جانے لگی ہے۔ اسکولوں اور مدرسوں کے بچے بڑے بڑے اہل علم اور زعمائے ملت کے متعلق جو الفاظ استعمال کرتے ہیں وہ تہذیب کے ماتھے پر ایک کلنک کی حیثیت رکھتے ہیں، ایسی زبان اپنے رفقاء اور ہم عمر حریفوں کے لئے بھی ناروا سمجھی جاتی ہے مگر وہ اپنے سے کئی گنا عمر کے افراد بلکہ اپنے اساتذہ اور محسنین کے حق میں بھی برملا استعمال کی جاتی ہے۔ آج مخالف کے لئے منافق، کرپٹ، مجرم، ڈاکو، چور جیسے الفاظ نامزد طور پر بلا تحفظ دو طرفہ استعمال کئے جاتے ہیں، اور ہزار دشمنی کے باوجود وہ نجی معاملات جن کی ستر پوشی کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے بالقصد سر بازار اچھالے جاتے ہیں حالانکہ ان کی پردہ دری پر اللہ سے دشمنی کی وعید سنائی گئی ہے اور دردناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے مگر نفس کی آسودگی اور تسکین کے سوا ہمیں کسی اور بات کا خیال نہیں رہتا ہے، جبکہ اپنے دامن کے داغوں کو بری طرح نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور جب بات اپنے عیبوں کی آتی ہے تو الفاظ کی بازیگری سے ان پر پردہ ڈالنے کی ہر سعی کی جاتی ہے۔ اس صورت حال سے فساق و فجار کو کھیل کھیلنے کا پورا پورا موقع فراہم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات نہ بھولیں کہ عیب سے خالی ذات فقط اللہ کی ہے۔

مجھے اس موقع پر بئس أخو العشيرہ (اخو العشیرہ برا برا شخص ہے) والی حدیث یاد آ رہی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے تنہائی میں ایک شخص کے متعلق مذکورہ تبصرہ کیا تھا مگر جب وہی شخص سامنے آیا تو آپ نے بڑے تپاک کے ساتھ اس سے ملاقات کی اور خندہ پیشانی اور خوش مزاجی کے ساتھ اس سے گفتگو کرتے رہے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب آپ نے اس شخص کو دیکھا تھا تو ایسا ایسا فرمایا تھا اور جب وہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس تپاک سے اس کے ساتھ ملاقات کی اور ایسی خوش مزاجی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! بتاؤ تم نے کب مجھے فحش گو اور بدزبانی کرنے والا پایا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین درجے والا انسان وہ ہوگا جسے لوگ اس کے شر کے خوف سے ترک کر دیں۔ (بخاری: ۶۰۳۲)

اس حدیث سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ نجی مجلسوں اور خصوصی احباب کے سامنے جو تبصرے کئے جا سکتے ہیں، متعلقہ شخص سے روبرو ہونے پر انہیں کو دہرانا خلاف مروت بھی ہوتا ہے اور انسانیت اس وقت کسی اور رویے کا تقاضا کرتی ہے، نیز خصوصی

محفلوں کی باتوں کو عوامی پلیٹ فارموں پر لے جانا دانشمندی کے خلاف ہوتا ہے، اس سے شر پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور بدزبانی اور فحش گوئی اللہ کے نزدیک سخت مبغوض ہے۔

تحقیق و تثبت کی اہمیت : خبروں کی قبولیت کی اسلام میں واضح ضابطہ بندی کی گئی ہے، افواہوں پر کان دھرنے سے روکا گیا ہے ہر سنی سنائی بات کے آگے بڑھانے والے کو جھوٹا ٹھہرایا گیا ہے، فاسقوں کی طرف سے دی جانے والی خبروں کی تحقیق کی تاکیدی ہدایات دی گئی ہیں، یہ سب باتیں ان ضابطوں کے علاوہ ہیں جو بہتان تراشی، افترا پردازی اور کسی کی آبرو سے کھیلنے اور اسے زبان وقلم کا نشانا بنانے سے متعلق وارد ہیں۔ مگر دیکھا یہی جاتا ہے کہ جس کے خلاف ہمارا منفی رجحان بن چکا ہوتا ہے اس کے متعلق ہم کسی ضابطے اور اصول کے قائل نہیں رہ جاتے ہیں اور سنگین سے سنگین الزامات اس کے متعلق گوارا ہی نہیں کئے جاتے بلکہ اس کی نشر واشاعت کو اہم ترین دینی فریضہ خیال کیا جاتا ہے، فحش ترین خبروں اور گھناؤنی باتوں کو بلا کسی ادنی تحفظ کے آگے بڑھا دیا جاتا ہے اور اس بات کو قطعی فراموش کر دیا جاتا ہے کہ ایک نادیدہ قلم ہمارے متعلق بھی چل رہا ہے (مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ) جو ہمارے نامہ اعمال کی سیاہی بڑھاتا جا رہا ہے اور اس کا خمیازہ ہمیں ایک ایسے دن بھگتنا ہوگا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ : (يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ) اور اس دن بدلے کی کرنسی (إلا بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ) ہوگی۔

اس مسئلے میں اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کے متعلق ماحول گرم ہو رہا ہوتا ہے تو پردۂ غیب سے یکا یک اس کا کوئی حریف منظر عام پر آتا ہے جس کا کوئی پس منظر اور بیک گراؤنڈ ہمارے سامنے نہیں ہوتا ہے، اس سے قبل ہم نے اس کے متعلق کچھ سنا بھی نہیں ہوتا ہے، یا اس کے متعلق ہماری معلومات بالکل سرسری قسم کی ہوتی ہیں، اس کی ثقاہت قطعی مجھول ہوتی ہے بلکہ اس کی شخصیت منفی تاثر چھوڑتی ہے، اس کا حلیہ، شکل وصورت، لب ولہجہ، الفاظ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اس حلقے کا نہیں بلکہ اس بازار کا ہے۔ اس کا مجاہر بالفسق ہونا اس کی ہر ہر ادا سے اسے ظاہر ہوتا ہے مگر اس کی گرم گفتاری، زہریلے بیانات اور نئے نئے انکشافات بہت سے لوگوں کو فیض احمد فیض کی غزلوں کی طرح بھاتے اور لطف دیتے ہیں اور وہ کار ثواب جان کر ان باتوں کو شوشل میڈیا میں احباب جماعت کی تفریح طبع کے لئے آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس گرما گرمی کے ماحول میں اگر کوئی دردمند نصیحت کے لئے آگے بڑھا تو اس کی پگڑی ہرگز سلامت نہیں رہے گی، ایسے ماحول میں متعدد شریفوں کو کہتے سنا گیا کہ اس طوفان بدتمیزی میں کون اپنی آبرو نیلام کرانے جائے، اس وقت سارا نظام غوغائیوں کے ہاتھ میں ہے، انہیں کسی کی حیثیت کا کب پاس ولحاظ ہوتا ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ اس ماحول کی تشکیل میں قضیے کے دونوں فریق کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ممکن ہے اصل لوگ معاملے کے اس حد تک پہنچنے کو بذات خود پسند نہ کرتے ہوں مگر اپنے اعوان وانصار کی بے لگام حرکتوں پر ان کی خاموشی کو شریفانہ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس موضوع کا یہ بھی ایک تاریک پہلو ہے کہ ایسے ماحول میں لوگ اپنے اعوان وانصار اور مویدین کے انتخاب میں سارے شرعی اور اخلاقی ضابطے فراموش کر دیتے ہیں، دیکھا یہ جاتا ہے کہ جن کے خلاف وہ کسی قضیے میں مہم چھیڑے ہوتے ہیں اسی کے مماثل بلکہ اس سے بھی زیادہ سنگین الزامات بلکہ بسا اوقات

ثابت شدہ جرائم ان کے مویدین کے سر ہوتے ہیں مگر صرف اپنی آواز میں آواز ملانے کے سبب ان کا سوخون معاف کر دیا جاتا ہے اور سوال آنے پر اپنی مجبوریوں کا حوالہ دیتے ہیں مگر شاید ان کی یہ مجبوریاں اللہ رب العزت کے یہاں معفو عنہ نہ قرار دی جاسکیں۔ ایسے ماحول میں بہت سے ثقہ لوگوں کا رویہ بھی عجیب وغریب ہوجاتا ہے، ہمیں حیرت ہوتی کہ جن امور کو منکر جان کر ان کے خاتمے کے لئے انہیں سرگرم عمل ہونا چاہیے تھا وہ انہیں کے فروغ میں حصے دار بنے ہوئے ہیں۔

جماعتی اور تنظیمی مسائل جب پیچیدہ ہوجاتے ہیں تو وہ محض بیانات اور فتووں سے حل نہیں ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات بیانات اور فتوے ان کی پیچیدگی کو مزید بڑھا دیتے ہیں سلجھتے ہوئے مسائل کو مزید الجھا دیتے ہیں۔ اس کے لئے چند جذباتی اقدامات کافی نہیں ہوتے۔ بالخصوص شوشل میڈیا پر جو بڑے بڑے علماء کے بیانات شائع ہوتے ہیں اور بسا اوقات اجتماعی شکل میں منظر عام پر آتے ہیں وہ ان کی سادہ لوحی کی دلیل ہوتے ہیں اس سے ظالم کو مزید تقویت حاصل ہوجاتی ہے۔ یہ کام اس وقت ہوتا ہے جب اس کا موقع ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے، ساری تیاریاں مکمل ہوچکی ہوتی ہیں۔ جو لوگ اصل مسئلے میں کوئی کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان پر مذکورہ بیانات کا منفی اثر پڑتا ہے۔ اور جب اتنی بڑی بڑی شخصیتوں کے بیانات بے وقعت ہوجاتے ہیں تو جماعت کی معنویت پر اس کا اثر اچھا نہیں ہوتا ہے۔ جس نتیجے کو اللہ کی توفیق کے بعد سالوں کی جدوجہد سے حاصل کیا جاسکتا ہے اسے لمحوں میں حاصل کرنے کی کوشش کرنا دانشمندی کہاں سے ہوسکتی ہے؟ یہ محض فرصت کے اوقات کا کوئی اضافی مشغلہ نہیں ہے، اگر واقعی جماعتی نظام اور دینی کازوں کی کوئی اہمیت ہے تو اس کے لئے وقت اور مال کی بڑی قربانی دینی پڑے گی اور صلاحیتوں کا مدبرانہ استعمال کرنا ہوگا۔ بات کسی ایک مرکز یا ایک شاخ کی نہیں ہے کہ جس کے خلاف کہیں سے تحریک اٹھ کھڑی ہوئی سب لوگ آنکھ بند کر کے اس کے پیچھے ہولیں، ہندوستان بہت بڑا ملک ہے، اور جماعت کی تعداد بھی الحمدللہ بہت بڑی ہوچکی ہے، اس لئے کام بھی بہت بڑا ہے، ہر ہر صوبے اور ہر ہر ضلع کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے ایک مخلص، باصلاحیت اور باحوصلہ لجنہ اور کمیٹی کی حاجت ہے جسے بافراغت اس کام کو انجام دینا پڑے گا۔ اور یہ کام محض نعروں اور سلوگنز سے نہیں چلے گا محض نظریاتی گفتگو سے اسے کامیابی نہیں ملے گی اس کے لئے مسلسل اور انتھک جدوجہد کی ضرورت ہے۔

● مراقبہ اور نگرانی کی ضرورت مستقل ہے:

ہم نے ایک طویل مدت سے یہی دیکھا ہے کہ تنظیموں اور اداروں میں مستقل نگرانی اور مراقبے کا کوئی نظم نہیں ہوتا، نہ کوئی ایسی تدبیر کی جاتی ہے کہ ایک ہی شخص سیاہ وسپید کا مالک نہ بننے پائے مگر جب وقت گزر جاتا ہے تو معاملہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد چہ میگوئیاں شروع ہوتی ہیں، پھر تحریک چلائی جاتی ہے، محاذ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اکثر ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں جو کسی طرح خوشگوار نہیں ہوتے ہیں اور عام طور پر سوائے اختلافات، فتنوں اور ہنگاموں کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا اور بعد میں یہی ہوتا ہے کہ صاحب ہم نے تو اپنا حق ادا کر دیا، اب بات نہیں بنی تو کیا کریں؟ حقیقت یہی ہے کہ اجتماعی اداروں کے جو ارکین ہوتے ہیں وہ عام طور پر رضا کار ہوتے ہیں اور وقت فرصت میں وہ جمع ہوتے ہیں اس لئے کسی بھی ادارے یا تنظیم پر ان کی گرفت ناممکن سی ہوتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں کسی نہ کسی ہمہ وقتی ذمہ دار پر اعتماد کرنا ہی

پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ تمام معاملات میں اس قدر دخیل ہوجاتا ہے کہ پھر خود اس کے احساسات بھی یکسر تبدیل ہوجاتے ہیں۔حالانکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ شروع شروع میں وہ انتہائی محتاط قدم اٹھاتا ہے، لوگوں کا ذہن پڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ضابطوں کو روبہ عمل لاتا ہے مگر مرور زمانہ سے جب وہ سارے نشیب وفراز سے آگاہ ہوجاتا ہے تو پھر اسے کسی کی پرواہ نہیں رہ جاتی اور وہ اپنی کرسی کو اس قدر مستحکم کرلیتا ہے کہ پھر کسی کے لئے وہاں سے اسے اٹھانا ناممکن سا ہوجاتا ہے۔حالانکہ اگر پہلے ہی سے کوئی مضبوط نظام ہو جو ذمہ داروں میں محاسبے کا احساس بیدار رکھے تو اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ کوئی حد سے زیادہ سرکش یا بے خوف ہوجائے مگر اکثر ادارے اور تنظیمیں ایسا نظام بنانے سے قاصر ہیں۔اس لئے ان کا بے وقت واویلا کرنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔اور ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ تنظیموں کے مسائل عوام میں ہرگز نہیں حل کئے جاسکتے ان کا حل صرف اور صرف داخلی طور پر ہی کیا جاسکتا ہے۔اور اگر ان مسائل کو عوام کے درمیان لے جایا جاتا ہے تو اس سے انارکی پھیلتی ہے، بے راہ رو لوگوں کو ایک مشغلہ ہاتھ آجاتا ہے بلیک میلر قسم کے لوگ شریفوں کی آڑ میں اپنا حساب چکتا کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اور اصلاح کی بجائے فساد فی الارض کا کام ہونے لگتا ہے، اس کا تجربہ امت کی تاریخ میں اتنی بار ہوچکا ہے کہ اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

● **اعتدال :** اسلامی تعلیمات میں اعتدال اور توازن کی بڑی اہمیت ہے۔مبالغہ آرائی، افراط وتفریط، غلو اور انتہا پسندی اسلام میں مذموم ہیں حتی کہ محبت اور نفرت میں بھی اس کا لحاظ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور عدل کا دامن کبھی نہ چھوڑنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ’’أحبب حبیبک هونا ماعسی أن یکون بغیضک یوما ما، وأبغض بغیضک هونا ماعسی أن یکون حبیبک یوما ما‘‘ (ترمذی:۱۹۹۷) مطلب حدیث کا یہی ہے کہ اپنے محبوب سے محبت اعتدال کے دائرے میں کرو ممکن ہے وہ کبھی تمہارے لئے مبغوض ہوجائے اور اپنے دشمن سے نفرت بھی اعتدال سے کرو کیونکہ ممکن ہے وہ کبھی تمہارا محبوب ہوجائے۔

دوستی اور دشمنی کسی میں بھی انتہا پسندی اچھی نہیں ہوتی، مگر افسوس یہ ہے کہ دوستی میں ساری کوتاہیوں اور خطاؤں کی حیرت انگیز تاویلیں کی جاتی ہیں، عذر تلاش کئے جاتے ہیں، ان کی کوتاہیوں کو نظر انداز کردینے کے لئے آیتیں اور حدیثیں سنائی جاتی ہیں۔مگر جسے مخالف اور حریف ٹھہرالیا جاتا ہے اس کے لئے کسی آیت یا حدیث کی سفارش قبول نہیں کی جاتی ہے۔اس کے خلاف جذبات ابھارنے اور بھڑکانے کو ہی اصل دینی کام اور کار جہاد باور کرایا جاتا ہے۔

● **افراد کی تنظیمی تربیت :**

عام طور پر ہمارے یہاں افراد کی تنظیمی تربیت اور جماعت بندی کے اصولوں کی تعلیم کا کوئی نظام کسی سطح پر بھی موجود نہیں ہے۔جس کا خمیازہ بہت بڑے پیمانے پر بھگتنا پڑتا ہے۔اگر ذاتی کاوشوں سے کچھ افراد تنظیم سے طویل وابستگی کی وجہ سے تجربہ کار اور جماعت کے لئے مفید وکارآمد ہوجاتے ہیں تو بسا اوقات مخصوص حالات میں انہیں دستور کی ایک ٹھوکر سے باہر کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔اور ان کی جگہ ایسے لوگ لائے جاتے ہیں جن کے پاس صرف اپنے جذبات ہوتے ہیں جن کا استحصال تجربہ کار لوگ اپنے اپنے لئے کرلیا کرتے ہیں مگر وہ جماعتی نظام کے لئے

فوری طور پر چنداں مفید نہیں ہوتے بلکہ نقصاندہ بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔تربیت نہ ہونے کی وجہ سے اکثر علاقائی جمعیتوں کا حال بہت ابتر ہے اور وہاں کے تنظیمی ڈھانچے محض الیکشن پر ٹکے ہوئے ہیں اور میدانی طور پر ان کا کوئی کام کہیں نظر نہیں آتا ہے۔ اس لئے اس مسئلے پر بھی سنجیدگی سے غور وفکر کی ضرورت ہے۔

● اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جماعت اہل حدیث کی تنظیم کا سب سے بڑا کام توحید اور اتباع کتاب وسنت کی دعوت کا مضبوط نظام قائم کرنا ہے جس میں ابھی تک تنظیم کو مطلوبہ کامیابی نہیں حاصل ہوسکی لہٰذا اس کے لئے سب کو مل جل کر کام کرنا چاہیے۔

● **افہام وتفہیم کا راستہ ہی بہتر راستہ ہے :**

تنظیم کے لئے اختلافات اور ہنگامے کبھی بہتر نہیں ہوسکتے اس لئے افہام وتفہیم کا راستہ ہی بہتر راستہ ہے۔ لہٰذا جب جماعت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے الگ ایک تنظیم قائم کرنے کی بات آئی تھی تو ممبئی کی جمعیت نے روز اول سے اس کی مخالفت کی تھی اور یہ بات متعلقہ بزرگوں کی خدمت میں صاف صاف رکھ دی تھی کہ اس سے آپ کے مبینہ مسائل اور پیش کردہ مقاصد ہرگز حل نہیں ہوں گے بلکہ پیچیدگی مزید بڑھ جائے گی، جماعت میں ایک خراب ماحول پیدا ہوگا اور بالآخر آپ تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے۔

پھر اس کے بعد بھی ممبئی کی جماعت نے مصالحانہ کاوشوں میں بھرپور حصہ لیا تھا مگر صورت حال کچھ ایسی ہوگئی کہ دونوں طرف کے بزرگوں کو اس کے متعلق بدگمانی ہوگئی جبکہ ادھر عزم یہی تھا کہ پوری غیر جانبداری کے ساتھ فریقین کو ایک ٹیبل پر لایا جائے اور مسائل کا کوئی سنجیدہ اور باوقار حل نکل آئے جو سب کے لئے قابل قبول ہو اور انصاف کے تقاضے بھی بحال رہیں۔کم از کم جماعت کے بزرگ جناب عبدالقیوم صاحب لکڑا والا جیسے انسان کے متعلق کسی مفاد سے وابستگی کا گمان کرنا سراسر ناانصافی ہی کی بات ہوگی۔انھوں نے بھی مصالحت کی بڑی کوشش کی تھی۔اور ممبئی کے ذمہ داران جمعیت کا مقصد بھی یہی تھا کہ آپس میں افہام وتفہیم کے ذریعہ مسائل حل کر لئے جائیں اور جماعتی مفاد ومصالح کے لئے ہر طرف سے قربانیاں پیش کی جائیں اور آئندہ کے لئے کوئی ایسا لائحہ عمل ترتیب پا جائے جس کا جماعت کے پورے تنظیمی ڈھانچے پر خوشگوار اثر پڑے۔

بہرکیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کام کا جو وقت مقرر ہوتا ہے وہ کام اسی وقت پر انجام پاتا ہے، یقینا افہام وتفہیم اور ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کا جو عمل منظر عام پر آیا ہے وہ قابل تحسین ہے اور اس کے لئے جن لوگوں کی کاوشیں بار آور اور دعائیں مقبول ہوئی ہیں وہ سب قابل مبارکباد ہیں۔

آگے ان شاء اللہ اس سے بہتر نتائج کی توقعات رکھنی چاہیے اور جماعت اور تنظیم کی سطح پر جو لوگ بھی مفید وکارآمد ہوں ان سب کو جوڑ کر کچھ ایسے اقدامات کئے جانے چاہیے جو عوامی سطح پر پیدا ہونے والے اضطرابات کے بھی خاتمے کا سبب بن جائیں اور مخلصین جماعت کے اندر پھر سے اپنی محبوب تنظیم پر اعتماد کی بحالی کا ذریعہ بھی۔ہمیں امید ہے کہ ذمہ داران جمعیت اپنی اس اہم ذمہ داری اور وقت کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے کوئی مناسب کارروائی کریں گے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عمل کو پوری جماعت کے لئے باعث خیر وبرکت اور شرور وفتن کے خاتمے کا سبب بنائے۔

ورحم اللہ رجلا قال آمینا

❖ ❖ ❖

قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

دوسرا مبحث:

نور وظلمات سنت نبویہ میں

احادیث نبویہ میں نور، اس کے حصول کی ترغیب، اللہ عزوجل سے اس کے سوال کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح تاریکیوں اور ان کے اسباب کا ذکر بھی آیا ہے، اس سلسلہ میں چند احادیث وآثار حسب ذیل ہیں:

(۱) نبی کریم ﷺ اپنی دعا میں فرماتے تھے:

"اللهم اجعل في قلبي نوراً، وفي لساني نوراً، وفي سمعي نوراً، وفي بصري نوراً، ومن فوقي نوراً، ومن تحتي نوراً، وعن يميني نوراً، وعن شمالي نوراً، ومن أمامي نوراً، ومن خلفي نوراً، واجعل في نفسي نوراً، وأعظم لي نوراً، وعظم لي نوراً، واجعل لي نوراً، واجعلني نوراً، اللهم أعطني نوراً، واجعل في عصبي نوراً، وفي لحمي نوراً، وفي دمي نوراً، وفي شعري نوراً، وفي بشري نوراً" (متفق علیہ بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل، ۷/۱۹۱، حدیث (۶۳۱۶)، وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، ۱/۵۲۵، حدیث (۷۶۳))۔

اے اللہ میرے دل میں، میری زبان میں، میرے کان میں، میری آنکھ میں، میرے اوپر سے، میرے نیچے سے، میرے دائیں سے، میرے بائیں سے، میرے آگے سے، میرے پیچھے سے نور بنا دے، میری ذات میں نور بنا دے، میرے نور کو بڑا اور باعظمت بنا دے، میرے لئے نور بنا دے، مجھے نور بنا دے، مجھے نور عطا فرما، اور میرے اعصاب میں، میرے گوشت میں، میرے خون میں، میرے بال میں اور میری جلد میں نور بنا دے۔

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "آپ ﷺ کی مراد حق کی روشنی اور اس کا بیان ووضاحت ہے، گویا کہ آپ نے فرمایا: اے اللہ! میرے ان اعضاء کو حق میں استعمال فرما اور میرے تصرفات اور نقل وحرکت کو درستی اور خیر کی راہ پر قائم رکھ" (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر لابن الاثیر، باب نون مع واؤ، مادہ "نور" ۵/۱۲۵)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علماء کرام فرماتے ہیں کہ

آپ ﷺ نے اپنے اعضاء جسم، تصرفات، نقل وحرکت، حالات اور عمومی طور پر چھ سمتوں میں نور کا سوال کیا ہے تا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی بے نوری کا شکار نہ ہو'' (شرح النووی علی صحیح مسلم، ۲۹۱/۶، نیز دیکھئے: فتح الباری لابن حجر، ۱۱/ ۱۱۸)۔

اس کی مزید وضاحت امام قرطبی رحمہ اللہ کے بیان سے ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ''اسے ظاہر پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں آپ ﷺ کے سوال کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آپ کے ہر ہر عضو میں نور بھر دے جس سے ان تاریکیوں میں آپ اور آپ کے متبعین یا آپ کے متبعین میں سے اللہ جسے چاہے' وہ روشنی حاصل کرے، یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ یہ روشنیاں علم وہدایت سے استعارہ ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{أفمن شرح الله صدره للإسلام فهو على نور من ربه} (الزمر: ۲۲)۔

کیا وہ شخص جس کے سینہ کو اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے۔

{أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ} (الانعام: ۱۲۲)۔

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اسے ایک ایسا نور دے دیا جس کو لئے ہوئے وہ آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔

یعنی علم اور ہدایت''۔

آگے فرماتے ہیں: ''نور کے معنیٰ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ جو چیز اس کی طرف منسوب کی جائے وہ اس کا مظہر ہے، اور وہ اپنے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، چنانچہ سورج کی روشنی دیکھی جانے والی چیزوں کا مظہر ہے، دل کی روشنی معلومات کا گنجینہ کھولتی ہے، اور جوارح کا نور ان پر ظاہر ہونے والی نیکیاں ہیں' گویا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ان اعضاء پر ہمیشہ ہمیش اطاعت کے اعمال ظاہر ہونے کی دعا فرمائی ہے، واللہ اعلم'' (المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم، ۲/ ۳۹۵)۔

امام طیبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ: ''ایک ایک عضو کے لئے نور طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اطاعت ومعرفت کے انوار سے مزین وآراستہ اور جہالت وگناہ کی تاریکی سے عاری ہوجائے، کیونکہ شیاطین ہر شش جہات کو وسوسوں سے گھیرے ہوئے ہوتے ہیں تو ان سے چھٹکارا ان شش جوانب کو روشن کرنے والے انوار سے ہوسکتا ہے، اور یہ سارے انوار ہدایت، بیان اور حق کی روشنی سے عبارت ہیں اور ان انوار کے مطالع کی رہنمائی اللہ عزوجل کے فرمان سے ہوتی ہے (شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح، ۴/ ۱۱۸۳، وفتح الباری لابن حجر، ۱۱/ ۱۱۸):

{الله نور السماوات والأرض} تا {نور على نور يهدي الله لنوره من يشاء} (النور: ۳۵)۔

اللہ تعالیٰ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔۔۔۔۔نور پر نور ہے' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(۲) ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الطهور شطر الإيمان، والحمد لله تملأ الميزان، وسبحان الله والحمد تملآن أو يملأ ما بين السماوات والأرض، والصلاة نور۔۔" الحديث (صحیح مسلم، کتاب الطھارہ، باب فضل الوضوء، ۱/ ۲۰۳، حدیث (۲۲۳))۔

پاکی آدھا ایمان ہے، الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور حمد دونوں آسمانوں اور زمین کو بھر دیتے ہیں یا سبحان اللہ آسمانوں اور زمین کو بھر دیتا ہے اور نماز نور ہے۔۔۔الحدیث۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "الصلاة نور" (نماز نور ہے)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو نماز کو اس کی صحت وکمال کی جملہ شرطوں کے ساتھ ادا کرے گا وہ اس کے دل کو روشن کردے گی، بایں طور کہ اس میں مکاشفات اور علوم ومعارف کے انوار روشن ہوں گے حتیٰ کہ اس کی کما حقہ رعایت کرنے والے کا معاملہ یہاں تک جا پہنچے گا کہ وہ کہے:

"وجعلت قرة عيني في الصلاة" (مسند احمد، ۳/ ۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵، وسنن نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، ۷/ ۶۲)۔

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کردی گئی ہے۔

اور یہ نماز قیامت کے روز کی تاریکیوں میں اپنی رعایت کرنے والے کا راستہ روشن کرے گی، نیز قیامت کے دن نمازی کے چہرے کو روشن کرے گی، چنانچہ اس کا چہرہ اور اعضاء وجوارح روشن اور پرنور ہوں گے (المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم، ۱/ ۴۷۶)۔

امام نووی فرماتے ہیں: "رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "نماز نور ہے" تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نمازی کو گناہوں اور فواحش ومنکرات سے روکے گی اور درستگی کی طرف رہنمائی کرے گی جیسا کہ نور سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نماز کا اجر قیامت کے دن نمازی کے لئے روشنی کی شکل میں ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ: نماز معارف کے انوار روشن کرنے، دل کے انشراح اور حقائق کے مکاشفات کا سبب ہے کیونکہ دل اسی سے وابستہ اور ظاہری وباطنی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

{واستعينوا بالصبر والصلاة} (البقرہ: ۴۵)۔

صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو۔

اور کہا گیا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ: نماز قیامت کے دن (نمازی) کے چہرے پر ظاہری نور ہوگی اور دنیا میں بھی اس چہرے پر روشنی اور جمال ہوگی برخلاف اس شخص کے جو نماز نہیں پڑھتا، واللہ اعلم" (شرح النووی علی صحیح مسلم، ۳/ ۱۰۳)۔

میں (مولف) کہتا ہوں کہ یہ نور مذکورہ تمام چیزوں کو شامل ہے، واللہ اعلم۔

(۳) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: "ایک وقت کی بات ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک آواز (دروازہ کھولنے کی آواز کے مثل، شرح النووی علی صحیح مسلم،

۶/۳۳۹) سنی، تو اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھلا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا، اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا، تو انہوں (جبریل) نے فرمایا: یہ ایک فرشتہ ہے جو آج ہی زمین پر اترا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں اترا، اس (اترنے والے) نے سلام کیا اور کہا: آپ ان دونوں روشنیوں سے خوش ہوجایئے جو آپ کو عطا ہوئی ہیں، آپ سے پہلے کسی بھی نبی کو عطا نہ ہوئیں، (وہ ہیں:) سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات، آپ ان دونوں میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے آپ کو ضرور عطا ہوگا'' (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل الفاتحۃ وخواتیم سورۃ البقرہ، ۱/۵۵۴، حدیث (۸۰۶))۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اس کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فرشتہ کا یہ کہنا کہ آپ دو روشنیوں سے خوش ہوجایئے'' یعنی دو عظیم اور روشن چیزوں سے خوش ہوجایئے، جن کے ذریعہ آپ ان کے پڑھنے والوں کو روشنی عطا کریں گے، اس وصف سے سورۂ فاتحہ کو اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ اجمالی طور پر ایمان، اسلام اور احسان کے معانی پر مشتمل ہے، اور یہ چیزیں مجموعی طور پر دینی قواعد کے اصول اور علوم ومعارف کی کنجیوں کو شامل ہیں، اور سورۂ بقرہ کو اس وصف کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مدح وثنا اور ان آیات کی حسن اتباع، ان کے معانی کو تسلیم کرنے، اللہ سے رونے اور گڑگڑانے اور تمام امور میں اللہ کی طرف رجوع ہونے کے ذکر کے ذریعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف وستائش پر مشتمل ہے اور ان کے جاننے کے بعد جو اس میں ان کی دعا کی قبولیت کا بیان ہے، کہ پھر اللہ نے ان سے تخفیف کردی، انہیں بخش دیا اور وہ نصرت ومدد سے ہمکنار ہوئے، اور اس میں ان کے علاوہ بھی بہت سی باتیں ہیں جن کی جستجو باعث طوالت ہے'' (دیکھئے: المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم، ۲/۴۳۴)۔

(۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

'' **إن هذه القبور مملوءة ظلمة على أهلها، و إن الله عز و جل ينورها لهم بصلاتي عليهم**'' (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر، ۲/۶۵۹، حدیث (۹۵۶))۔

یہ قبریں اپنے اندر مدفون لوگوں پر تاریکیوں سے بھری ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر میری نماز کے سبب ان میں روشنی کرتا ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کا فرمان ''یہ قبریں اپنے اندر مدفون لوگوں پر تاریکیوں سے بھری ہوئی ہیں، الخ'' اسلوب حکیم کی طرح ہے، یعنی میت پر نماز جنازہ ادا کرنے میں اس کی حقارت یا رفعت شان بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ نماز جنازہ اس کے لئے سفارشی کے طور پر ہے تاکہ اللہ اس کی قبر کو روشن کردے۔۔۔'' (شرح الطيبی على مشكاة المصابيح، ۴/۱۳۹۵، نیز دیکھئے: مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للملا على القاری، ۴/۱۷)۔

❖ ❖ ❖

[۱۸]

عقیدہ ومنہج

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ہر جگہ نہیں

محمد مقیم فیضی

بات علامہ کوثری صاحب کی چل رہی تھی جو علمائے دیوبند اور دیگر ماتریدی احناف کے محترم ومقتدا ہیں کہ ان کے عقائد میں کس طرح کا جھول پایا جاتا ہے اور وہ اس کے لئے قرآن وسنت میں کیسی تحریفیں کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض ہے کہ علامہ کوثری صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ :

- توسل کے شروع میں استعانت واستغاثہ کے الفاظ کا استعمال بھی جائز ہے۔(مقالات الکوثری:۳۹۵-۳۹۶)
- علامہ کوثری صاحب نے حضرت عمر بن خطاب کے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے توسل کے قصے میں بھی تحریف کر دی ہے جناب فرماتے ہیں : ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آنحضرت ﷺ سے توسل سے عدول کر کے عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرنا اس لئے نہیں تھا کہ رسول کی موت ہو چکی ہے، وہ ندا نہیں سنتے ہیں، یا انبیاء سے ان کی موت کے بعد توسل جائز نہیں ہے؛

بلکہ جس کسی نے بھی حضرت عمر کے اس عمل کو اس بات پر محمول کیا کہ آنحضرت ﷺ سے توسل بس ان کی زندگی تک ہی محدود ہے تو اس نے حدیث میں تحریف کر دی [1] ، اور کار محال کی سعی کی، اور حضرت عمر کی طرف ایک ایسی بات منسوب کر دی جو ان کے خیال میں بھی نہیں آئی ہوگی، اور اس نے صحیح صریح سنت کو رائے سے باطل کر دیا۔(مقالات الکوثری:۳۸)

[1] (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس قصے کی اصل عبارت اس طرح ہے کہ: ''جب لوگوں میں قحط پڑتا تھا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عباس بن مطلب سے استسقا طلب کرتے تھے، اور دعا کرتے ہوئے کہتے تھے: اے اللہ ہم تیرے حضور تیرے نبی کا وسیلہ لیا کرتے تھے (یعنی ان سے دعا کرایا کرتے تھے) تو تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا، اور اب ہم تیرے نبی کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں (یعنی ان سے دعا کراتے ہیں) تو تو ہم پر بارش فرما۔ بیان کرتے ہیں: تب لوگوں میں بارش ہوجایا کرتی تھی۔ (اسے بخاری نے "الاستسقاء" باب سؤال الناس الامام ...، ۱/۳۴۲-۳۴۳ ، اور فضائل الصحابة، باب ذكر العباس بن عبدالمطلب رضى الله عنه: ۳/۱۳۶۰ میں روایت کیا ہے))

- کوثری صاحب کی مذکورہ عبارت پر غور فرمایئے اس کے بعد یہ ذہن نشین رکھیے کہ دنیا ابھی اہل علم اور متلاشیان حق وانصاف سے خالی نہیں ہوئی ہے، حتی کہ حنفی ماتریدی دیوبندی حضرات میں بھی ایسے لوگ مل جائیں گے جن سے علامہ کوثری صاحب کی تدلیس وتحریف اور تزویر وقلب حقائق کا پردہ فاش ہوجائے گا اور یہ حقیقت واشگاف ہوجائے گی کہ جناب:

''رمتنی بدائها وانسلت'' اپنا روگ مجھ پر تھوپ کر چلتی بنی۔

کی خصلت میں ایک آیت اور رمز ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

- کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل کوثری صاحب کے لئے حجت ہے یا ان کے اور ان کے قبوری خرافی اور جہمی صوفی

ہمنواؤں کے خلاف حجت ہے؟ کیا خلف کا توسل سلف کے توسل کی طرح ہے؟

معاذ الله! سبحان الله عمايصفون؛

علامہ محدث انور شاہ کشمیری دیوبندی ملقب بہ امام عصر (۱۳۵۲ھ) حضرت عمر کے حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے توسل کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں وہ معہود (موجودہ) توسل نہیں جو غائب سے ہوا کرتا ہے حتی کہ ممکن ہے کہ سرے سے اسے اس کا کوئی احساس تک نہ ہو، بلکہ اس میں سلف کے توسل کا بیان ہے: اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی صاحب رتبہ شخص کو آگے کر دیا جائے اور اس سے گزارش کی جائے کہ وہ ان کے لئے دعا کرے پھر اپنی دعا میں اسی کا حوالہ دے۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

اور اگر اس میں متاخرین والا توسل ہوتا تو انہیں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے جاتے، ان کے لئے تو وفات کے بعد بھی اپنے نبی سے توسل کر لینا کافی ہوتا۔

یا خود عباس رضی اللہ عنہ ہی سے اپنے ساتھ انہیں لائے بغیر توسل کر لیتے...''

پھر انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعا بیان کی ہے۔ (فیض الباری: ۲/۳۷۹)

● علامہ کشمیری مزید فرماتے ہیں: ''یہ ذہن نشین رکھیے کہ سلف کے درمیان توسل ویسا نہیں تھا جیسا آج ہمارے درمیان معہود و معروف ہے، کیونکہ جب وہ کسی سے توسل کرنا چاہتے تھے تو اسے بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے جس سے توسل کرنا ہوتا تھا۔

تاکہ وہ ان کے لئے دعا کرے، پھر وہ اللہ سے مدد چاہتے تھے اور اس سے دعا کرتے تھے...؛

مگر آج جو توسل ہمارے درمیان متعارف ہے کہ صرف صالحین (بزرگوں) کے ناموں سے توسل کیا جاتا ہے اور ایسے کیا جاتا ہے کہ جن سے توسل کیا جاتا ہے انہیں ہمارے توسل کا علم تک نہیں ہوتا ہے، بلکہ جنھیں وسیلہ بنایا جا رہا ہے ان کی زندگی کی بھی شرط نہیں ہوتی۔

بس اس خیال سے ان کے ناموں پر اکتفا کر لیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں جاہ و مرتبہ والے اور مقبول لوگ ہیں اس لئے اگر ان کے ناموں کا حوالہ دیا جائے گا تو وہ انہیں رد نہیں فرمائے گا۔

تو یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں داخل ہونا مجھے پسند نہیں ہے...؛

اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: (وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ) (المائدۃ: ۳۵) تو اس کا تقاضا اگرچہ واسطے کی جستجو ہے مگر اس میں فقط ناموں سے کئے جانے والے معروف توسل کی کوئی دلیل نہیں ہے؛

اور ابن تیمیہ اس کی حرمت کی طرف گئے ہیں جبکہ صاحب ''درمختار'' نے اسے جائز بتایا ہے مگر انھوں نے سلف سے کوئی دلیل نقل نہیں کی ہے''۔ (فیض الباری: ۳/۴۳۴-۴۳۵)

● ہم کہتے ہیں چند ملاحظات کے باوجود علامہ انور شاہ کشمیری کا یہ کلام کوثری اور ان جیسے لوگوں کی چالوں کو ان کی ہی گردن پر ڈال دیتا ہے اور ان کی فضول گوئیوں کو انہیں پر الٹ دیتا ہے۔

اور ان کا نصوص کتاب وسنت کو دلیل بنانا اور انہیں اپنے

مبتدع وخلفی توسل پر محمول کرنا باطل ہے، تحریف ہے اور ایسی چیز پر محمول کرنا ہے جس کی وہ متحمل نہیں ہیں۔

اورلوگوں پر یہ حقیقت بھی کھل گئی کہ بہتان تراش، افتراپرداز اور جھوٹا کون ہے؟ تحریف کرنا کس کا کام ہے؟ اور یہودیوں کا پیروکار کون ہے؟ اور محال کا بیڑا اٹھانے والا کون ہے علامہ انور شاہ صاحب یا پھر کوثری صاحب؟

اورلوگوں سے یہ حقیقت بھی مخفی نہیں ہے کہ علامہ انور شاہ کا رتبہ کوثری کے نزدیک بہت بلند ہے اور انھوں نے ان کی تعظیم اور بڑائی میں خوب مبالغے سے کام لیا ہے۔ (دیکھیے: مقالات الکوثری: ۳۵۹-۳۶۰، اور "التصريح بما تواترت في نزول المسيح" پر ابوغدہ کوثری کا مقدمہ ۶، ۲۶)

اور جہاں تک دیگر دیوبندیوں اور کوثریوں کا معاملہ ہے تو انھوں نے علامہ انور شاہ کی تعظیم میں جو زمین وآسمان کے قلابے ملائے ہیں اور جس قدر غلو سے کام لیا ہے وہ تو خیال سے بھی پرے ہے۔ اس کی ایک مثال حسب ذیل ہے: ''شمس الضحی، بدرالدجی، علم التقی، کھف الوری، بحرالجور، شمس المجد، البحرالمحیط، البحر المواج، السراج الوہاج، عدیم النظیر، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، امۃ وحدہ (تنہا امت) ذہبی، ابن حجر، ابن دقیق عید، بحتری، سحبان ان سب کی خصوصیات ان کے اندر جمع تھیں، بیشک وہ دین کا ایک معجزہ ہیں، وہ بلا اختلاف سفیان، بخاری، احمد، ترمذی اور زہری جیسے ہیں...'' (دیکھئے: مقدمہ فیض الباری: ۱/۱۹-۶۸، مقدمہ ابوغدہ بر کتاب ''التصریح...'' ۲۳، ۲۶)

● علامہ کشمیری صاحب اپنی علمی جلالت وامامت کے باوجود مجدد دعوت امام محمد بن عبدالوہاب تمیمی (۱۲۰۶ھ) سے شدید پرخاش اور سخت عداوت رکھتے تھے، شیخ کے متعلق عدوان وبہتان پر مشتمل ان کا ایک تبصرہ حسب ذیل ہے:

''جہاں تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کی بات ہے تو وہ ایک کندذہن اور کم علم آدمی تھا، اس لئے کفر کا حکم لگانے میں جلد بازی سے کام لیتا تھا، حالانکہ اس وادی میں قدم اسی شخص کو رکھنا چاہیے جو بیدار ہو، متقن اور ماہر ہو، وجوہ کفر اور اس کے اسباب کا جاننے والا ہو۔

(فیض الباری ۱/۱۷۱، ان کے اصحاب میں سے بنوری اور بدر عالم صاحبان نے اس بات پر ان کی خاموش تائید کی ہے، اس لئے وہ دونوں بزرگان قوم بھی اس جرم میں ان کے شریک ہیں)

اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ یہ حال امام عصر کا ہے تو جولوگ ان سے نیچے کے ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ حالانکہ امام محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ اجمالی اور تفصیلی طور پر وہی عقیدہ ہے جو سلف کا عقیدہ ہے۔ (دیکھیے: الماتریدیہ: ۱/۱۷۳-۳۷۲)

● خیر ہم اپنے اصل موضوع کی طرف واپس آتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ کوثری صاحب نے لاشعوری طور پر توسل کے مسئلے میں علامہ کشمیری کو بھی نہیں بخشا ہے بلکہ انہیں بھی مفتری اور افاک (جھوٹی باتیں بنانے والا) ٹھہرادیا ہے۔

● حالانکہ حضرت عباس سے حضرت عمر کے توسل کے قصے کی شرح کرنے والوں نے -جن میں بڑے بڑے ائمہ احناف بھی ہیں- یہ وضاحت کردی ہے کہ یہ چیز زندہ کی دعا کے واسطے سے توسل الی اللہ کے باب سے ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ شخص توسل کرنے والے کے لئے دعا کرے۔ (دیکھئے: بهجة النفوس بشرح مختصر صحيح البخاری المسمی "جمع النهاية في بدء الخير والغاية" ۲/۲۰، لابی عبدالله بن الأزدی الاندلسی ۶۹۹، اور عمده القاری للعینی الحنفی

۷/۳۲-۳۳وغیرہ۔الماتریدیۃ ۳/۳۲۰)

● مذکورہ توسل کا تعلق ماتریدی کوثری جیسے اہل بدعت اور دیگر قبوریوں مثلا بریلویوں کے توسل جیسے توسل سے نہیں ہے۔

جب قارئین کرام پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ خلف کا توسل سلف کے توسل سے مختلف ہے، اور کتاب وسنت میں توسل کے متعلق جونصوص وارد ہوئے ہیں خلف کا توسل ان کے مقصود سے دور ہے تو پھر آیئے دیکھیں کہ کوثری صاحب خود ہی کس طرح اپنی کہی ہوئی باتوں اور لکھی ہوئی تحریروں سے قلابازیاں کھا کر پلٹ جایا کرتے ہیں۔

● کوثری صاحب فرماتے ہیں : ''نصوص وآثار کا ان اصطلاحوں پر محمول کرنا جوعہد تنزیل کے زمانوں بعد ظاہر ہوئے جوعرب کے تخاطب اور اس عربی زبان کے بولنے والے سلف کے تفاہم سے دور ہیں۔

اور جو شخص ان کا مدعی ہے وہ کتاب وسنت کے منہج سے منحرف ہو چکا ہے، اور سلف صالحین کی راہ اور ائمہ اصول دین کا مسلک چھوڑ چکا ہے، اور زبان تخاطب سے حریفائی کرتا ہے، اور جرح وتعدیل اور تقویم وتعلیل میں اہل نقد کے طریقے سے گریزاں ہے۔ (تعلیقات الکوثری علی الاسماء والصفات للبیہقی:۴۵۵)

● ہم کہتے ہیں : دیکھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے کوثری صاحب کے لئے کیسا رسوائی کا سامان کردیا کہ وہ واضح اور رسوا کن تناقض کا شکار ہوگئے، اور اپنے ہی آلۂ کتابت سے جس سے انھوں نے لکھا تھا خودکشی کرلی کہ خود انہیں کی تحریریں ان کے خلاف حجت بن گئیں اور خود انھوں نے ہی شرعی نصوص کو بدعتی اصطلاحات پر محمول کیا جس سے متعلق قبوری توسل کا مسئلہ بھی ہے۔

● کوثری صاحب نے -خرافات میں اپنے غلو کی وجہ سے- دوحدیثوں کو بھی اپنے طعن وتشنیع کا نشانا بنایا ہے جنھیں مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے :

● **پہلی حدیث:** حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے جو قبروں کو پختہ کرنے کی ممانعت میں وارد ہے۔

● **اور دوسری حدیث:** حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جو اونچی قبروں کو زمین کے برابر کردینے کے متعلق ہے۔

اوران پر روایۃ ودرایۃ ایسی گفتگو کی ہے جوخود انہیں کے لئے رسوائی کا سامان ہے اور یہ سب کام انھوں نے اپنے خرافی عقیدے کی تائید میں اور بدعتوں کی نشرواشاعت کی غرض سے کیا ہے۔ اس کے متعلق کچھ باتیں پچھلے صفحات میں عرض کی جاچکی ہیں۔

● مگر اب طرفہ تماشہ تو یہ دیکھیے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل میں جناب صحیح حدیثوں کی تضعیف کرتے ہیں مگر اپنے مقاصد پر استدلال کے لئے بے بنیاد خوابوں کو بھی دلیل بنانے سے نہیں چوکتے ہیں، اور اپنی قبوری خرافات کی تائید انہیں میں پاتے ہیں۔ (دیکھیے:مقالات الکوثری ۳۸۲-۳۸۳)

● یہ خواب امت کے سلف صالحین یا ائمہ سنت کے نہیں ہیں؛

بلکہ فخر رازی (۶۰۶ھ) کے خواب ہیں، ''فردوسی''[1] شاعر کے خواب ہیں جس نے کافر وفاجر رستم کی روح کے مشورے پر عمل کر کے اپنی کھلی ہوئی رسوائی کا سامان کیا۔

[1] (فردوسی کا نام ابوالقاسم حسن بن محمد طوسی ہے، یہ شاہنامہ کا مولف ایک مشہور فارسی شاعر ہے جسے اس نے سلطان محمود سبکتگین کے لئے تالیف کیا تھا، (۳۸۴ھ) کے بعد اس کی وفات ہوئی تھی، کشف

الظنون:۲/۱۰۲۵-۱۰۲۶۔اور رستم بن فرخ زاد ایک مخلوق پرست مجوسی کافر تھا اور اہل فارس کا قائد اور بوران بنت کسری کی نیابت میں شاہی اختیارات رکھتا تھا۔یہی وہ رستم ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف مختلف محاذ کھول رکھے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ قادسیہ میں اسے کیفر کردار تک پہنچادیا۔تفصیل کے لئے دیکھیے: البداية والنهاية: ۷/۲۶-۲۷، ۴۴)

● اور وہ قصہ کوثری صاحب کے مقالات میں اس طرح درج ہے: میں نے سنا کہ فردوسی شاعر نے جب شاہنامہ نامی اپنی کتاب تصنیف کی جو سلطان محمود بن سبکتگین کے نام پر تھی، اوراس نے اس کا واجب حق محنت ادا نہیں کیا اور نہ اس کتاب کی اس کے شایان شان پذیرائی کی تو فردوسی اس سے تنگ دل ہوا اوراس نے خواب میں رستم کو دیکھا جس نے اس سے کہا کہ اس کتاب میں تم نے میری بڑی تعریف کی ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں مردوں کے زمرے میں آچکا ہوں، تمہارا حق ادا کرنے کی طاقت میرے پاس نہیں رہی ہے، مگر تم فلاں مقام پر جاؤ اور اسے کھودو وہاں تمہیں ایک دفینہ (خزانہ) ملے گا، لہٰذا فردوسی کہا کرتا تھا کہ رستم اپنی موت کی حالت میں بھی زندہ محمود سے زیادہ فیاض تھا''۔(مقالات الكوثري:۳۴۳)

■ علامہ کوثری صاحب توحید الوہیت اوراس کی ضد شرک اکبر یا اس تک پہنچانے والی چیزوں سے متعلق مسائل میں رازی (۶۰۶ھ) تفتازانی (۷۹۲ھ) اور جرجانی (۸۱۶ھ) جیسے اساطین علم کلام وفلسفہ سے فیصلہ لینے اوران کی طرف رجوع کی دعوت دیتے ہیں۔ (دیکھیے: مقالات الكوثري: ۳۸۱-۳۸۲، اور تبديد الظلام:۱۶۰-۱۶۲)

● اوراس کے کے برعکس عقیدۂ اہل حدیث کے متعلق جناب کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ وہ ایک وثنی (مشرکانہ) عقیدہ ہے۔(دیکھیے:مقالات الكوثري:۳۲۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۳، ۳۲۵، تبديد الظلام:۱۱۴)

● متکلمین کے انحرافات اوران کی توحید کی حقیقت جگ ظاہر ہے یہ بات سبھی اہل علم جانتے ہیں کہ توحید وشرک کے مسائل کی معرفت ان لوگوں میں کیسی ہے؟ اس لئے سلف امت اور ائمہ سنت کے طریقے کو نظر انداز کرکے ان جیسے لوگوں سے فیصلہ لینے کی دعوت دینا عین گمراہی اور گمراہ گری ہے۔

● محدثین کے مسلک کے متعلق کوثری صاحب کے تبصرے گزر چکے ہیں کہ وہ اسے وثنیت ، حشویت، تجسیم اور کفریات وغیرہ سے موسوم کرتے ہیں اوران کی کتابوں کو کتب شرک ٹھہراتے ہیں۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے ائمہ اہل سنت اور اساطین علم وفضل کے متعلق ان کا رویہ اورلب ولہجہ کیسا ہوتا ہے اوران کی روش اس سلسلے میں کیا ہے جس کی پیروی علمائے دیوبند اور ماتریدی احناف عام طور پر کرتے چلے آئے ہیں۔

۱- صفات کے راوی امام حماد بن سلمہ بن دینار (۱۶۷ھ) کے متعلق گوہرافشانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

● وہ تو ایک ''مشبهه'' ہے، ''مشبھہ کے ہاتھ میں ایک جامد آلہ ہے''۔(دیکھیے:تانيب الخطيب:۱۸۶، ۱۸۹)

● کوثری صاحب کا یہ طیش بھی ملاحظہ فرمایئے! کہتے ہیں:

''حماد بن سلمہ کا دفاع بس وہی کرسکتا ہے جسے اس بات کا شعور ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے'' لہٰذا خرابی ہو اس عقل کی جو اسلام میں وثنیت کو گوارا کرتا ہے، اور کم عقلوں کے دفاع کی

کوشش کرتا ہے''۔ (دیکھیے: الاسماء والصفات پر کوثری کی تعلیقات: ۴۴۴)

حالانکہ اس امام عالی مقام کا دفاع عبداللہ ابن مبارک، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، علی بن مدینی وغیرہ جیسے اس فن شریف کے ائمہ کرتے ہیں۔

● چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ: "دخلت البصرة فما رأيت أحدا أشبه بمسالك الأول من حماد بن سلمة"۔

''میں بصرہ گیا تو وہاں میں نے اگلوں کی روش پر حماد بن سلمہ سے زیادہ چلنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا'' (تهذيب الكمال: ۷/۲۶۲، تهذيب التهذيب: ۳/۱۵)

● ابن معین، امام احمد بن حنبل اور ابن مدینی ان کے متعلق فرماتے تھے اور یہاں الفاظ اول الذکر کے ہیں کہ: ''إذا رأيت انسانا يقع في عكرمة، وحماد بن سلمة فاتهمه على الاسلام'' (تهذيب الكمال: ۷/۲۶۳، تذكرة الحفاظ: ۱/۲۰۳، تهذيب التهذيب: ۳/۱۵)

''اگر تم کسی انسان کو دیکھو کہ وہ عکرمہ اور حماد بن سلمہ کے متعلق زبان درازی کرتا ہے تو اسے اسلام میں متہم گردانو'' (یعنی اپنے اسلام میں مخلص ہونے کے متعلق وہ شخص مشکوک ہے)۔

● اور امام احمد بن حنبل نے ان کی عظمت شان کی ان الفاظ میں گواہی دی ہے:

''لا اعلم احدا أروى في الرد على أهل البدع منه'' اہل بدعت کی تردید میں ان سے زیادہ روایت کرنے والا میں کسی کو بھی نہیں جانتا ہوں''۔ (تهذيب الكمال: ۷/۲۵۹)

اب بتائیے! کیا ابن مبارک، ابن معین، احمد بن حنبل اور ابن مدینی جیسے ائمہ اور اساطین فضل وکمال جو اس امام عالی مقام کا دفاع کرتے ہیں وہ سب کے سب بے شعور تھے اور انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا وہ سب کے سب اسلام میں وثنیت کو گوارا کرنے والے تھے؟

اور کیا یہ سارے کے سارے کم عقلوں کا دفاع کرنے والے تھے، اے عقل والو عبرت پکڑو عبرت!

● تب فرمائیے کہ کوثری صاحب کی اس بکواس کو کس خانے میں رکھا جائے کہ وہ ''مشبہ'' تھا؟ جبکہ آپ نے ابن مبارک کی یہ گواہی سن لی کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسالک پر سب سے زیادہ عمدگی کے ساتھ گامزن تھے، تو کیا صحابہ کرام ان جرکسی کوثری صاحب کے نزدیک ''مشبهه'' تھے؟؟ اور یہ بھی خوش قسمتی اور حسن اتفاق کی بات ہے کہ احناف بشمول کوثری صاحب ابن مبارک اور ابن معین کو حنفیہ میں شمار کرتے ہیں [1] اور ان دونوں نے جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کے حق میں شہادت دی ہے۔

[1] (الجواهر المضية: ۲/۳۲۷، و فقه أهل العراق: ۶۱، ۶۴)

● بلکہ احمد بن حنبل، ابن معین اور ابن مدینی کی شہادت سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ جناب کوثری صاحب احادیث صفات کی روایت کرنے والے ان امام صاحب کو طعن وتشنیع کا نشانا بنا کر خود اپنے اسلام کے متعلق متہم ہو چکے ہیں، کیا حقیقت یہی ہے کہ یہ جرکسی مولوی اس لئے اسلام کا نقاب لگائے ہے تاکہ ائمہ اسلام کے خلاف چالیں چلے اور سازشیں کرتا رہے؟! (دیکھیے: الماتريدية للأفغاني: ۳۷۸-۳۸۰)

(ان شاء اللہ جاری ہے)

❖ ❖ ❖

اسلامی ثقافت

مولانا مودودی کا سارا معاملہ ڈاؤٹ اور تشکیک کا ہے

فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ   تفریغ: شیخ الطاف الرحمن سلفی (جامعہ اسلامیہ مدینہ)

سوال: ہمارے علاقہ میں فیروز ایجوکیشن فاؤنڈیشن کا مرتب کیا ہوا نصاب پڑھایا جاتا ہے جو جماعتِ اسلامی کی شاخ ہے اس کے بارے میں شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب: میرے بھائی! اب بات آ گئی۔ ہم اگر کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

بہرحال مولانا ابوالاعلیٰ [1] مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنا ایک نظریہ پیش کیا تھا، اسی وقت سے علماءِ حق برابر اس نظریہ کی مخالفت کرتے رہے۔

[1] ❁ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مولانا مودودی کا نام سید ابوالاعلیٰ لکھا جاتا ہے، معلوم نہیں یہ نام ہے یا کنیت، بہرحال جو کچھ بھی ہے ترجمہ اس کا ہے اعلیٰ کا باپ۔" سبحان ربي الأعلىٰ " [اور{سبح اسم ربک الأعلیٰ}] کو ملحوظ رکھ کر ہم مولانا کو مشورہ دیں تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ اس نام کے بجائے ابوالعُلیٰ تجویز کریں تو مناسب ہے۔

اسکی مثال: عیسائیوں میں ایک بڑے پائے کے مصنف گذرے ہیں، جن کا نام اکبر مسیح تھا، آپ شہر باندہ میں رہتے تھے، بڑے ذی علم اور ذی لیاقت تھے، عربی، انگریزی کے ماہر تھے، کئی ایک کتابوں کے مصنف تھے، شہر باندہ (یوپی) میں مجھ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا آپ کا نام اکبر مسیح ہے، اکبر اسم تفضیل کا صیغہ ہے، مسیح کی طرف اضافت کے لحاظ سے اس کے معنیٰ ہیں مسیح سے بڑا، کیا آپ واقعی مسیح سے بڑے ہیں؟ یہ سوال سن کر خاموش ہو گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سوال ان کے کانوں میں پہلی دفعہ آیا ہے۔

ناموں کی اصلاح کرنا حدیثوں سے ثابت ہے''۔ ((خطاب بہ مودودی، مؤلف ثناء اللہ امرتسری:۱))

❁ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے ''خطاب بہ مودودی'' میں صرف ایک جگہ غالباً عوام کو بتانے کی غرض سے کہ مودودی سے مراد کون ہیں ''ابوالاعلیٰ'' کا استعمال کیا ہے، اس کے علاوہ کہیں ''ابوالاعلیٰ'' کا استعمال نہیں کیا ہے ہر جگہ مولانا مودودی، یا مودودی لکھا ہے۔ ہمیں بھی کسی کے حق میں ایسے کنیت والقاب کے استعمال سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے جس میں شرعی طور پر ممانعت یا شِبہِ ممانعت پائی جاتی ہو۔

❁ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ ((کتاب التوحید)) میں ایک باب قائم کرتے ہیں: " باب احترام أسماء الله تعالىٰ وتغيير الاسم لأجل ذلک" پھر اس کے تحت نبی ﷺ کی یہ حدیث ذکر کرتے ہیں: "عن أبي شريح ، أنه كان يُكنى أبا الحَكَم، فقال له النبي ﷺ:" انَّ اللهَ هو الحَكَم، واليه الحُكم " ـ فقال : ان قومي اذا اختلفوا في شيءٍ أتوني فحكمتُ بينهم، فرضي كلا الفريقين ـ فقال : " ما أحسن هذا! فما لک من الولد؟" قلتُ: شريحٌ، ومسلمٌ، وعبدالله۔ قال: " فَمَنْ أكبرهم؟ " قلتُ : شريح، قال : " فأنتَ أبو شريح"۔((سنن

اَبی داوود:۴۹۵۵،علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے))

❁ مصر کے ایک بڑے سلفی عالم : فضیلۃ الشیخ محمد بن سعید رسلان حفظہ اللہ مودودی کے حق میں مذکورہ حدیث کی روشنی میں کنیت ''ابوالاٴعلیٰ'' استعمال کرنے سے منع کرتے ہیں۔)

نمبر ایک : ۱۹۳۷ء میں پہلی مرتبہ انہوں نے کتاب لکھی غالباً: ''نظریہ اسلام'' ۔اس وقت علماء کے کان کھڑے ہوئے۔ [کہ] یہ کیا غضب ہے؟ ہم تو کچھ اور سمجھتے تھے یہاں تو معاملہ کچھ اور ہوگیا۔ پھر ۱۹۴۱ء میں اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا، اور مصر وغیرہ سے چھاپ کر اسے تقسیم کیا گیا۔

بہت افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے۔ابھی سعودیہ عربیہ کی بعض یونیورسٹیوں سے لوگوں نے پی ایچ ڈی کا رسالہ لکھا ہے، جس میں واضح کیا کہ: آج خارجیوں کو جہاں سے مواد ملا ہے ،واللہ صاف لفظوں میں کہا: کہ آج جو نظریہ پھیلا ہوا ہے، یہ سب سے پہلے لوگوں نے اِس صدی میں مولانا ابوالاٴعلیٰ مودودی کی کتاب ''نظریہ افکار'' [وغیرہ سے اخذ کیا ہے]۔

پھر ۱۹۴۴ء میں تقریباً قرآن پاک کی چار بنیادی اصطلاحیں: دین کا مطلب ہے قانون، الہٰ کا مطلب ہے حاکم، کہہ کر کے جو تحریفات قرآن کی چار بنیادی اصطلاحوں کے ذریعے کی گئی، ایک بہت بڑا فتنہ تھا۔②

② (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ،مودودی: ۲۴، ۲۵، ۳۶، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۳۳، طبع ۲۰۰۰ء)

یہی ساری چیزیں تھیں : بخاری کی احادیث کا انکار، اسماء رجال پر انکار، فتنۂ دجال کا انکار، دجال کو یہ کہہ دینا نہایت آسانی کے ساتھ [کہ]: یہودیوں کا عقیدہ ہے جو پیدا ہوگا۔

یہ کتنا آسان سا جملہ تھا میرے دوستو ! تعجب کریں گے [کہ] دجال کے معاملہ میں نبی کو خود ڈاؤٹ تھا، یہی جملہ ہے نا؟ کیا تھا: رسول اللہ کو خود ڈاؤٹ تھا۔③ اللہ اکبر!!

③ (مودودی کی عبارت اس طرح ہے:''ان امور کے متعلق مختلف باتیں حضور سے احادیث میں منقول ہیں، وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے''۔((ترجمان القرآن: فروری ۱۹۴۶ء)) اور انگلش میں ڈاؤٹ شک کے معنی میں مستعمل ہے۔

مودودی کی ایک عبارت اس طرح ہے:'' یہ کانا دجال وغیرہ افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، ان چیزوں کو تلاش کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت بھی نہیں۔عوام میں اس قسم کی جو باتیں مشہور ہیں ان کی کوئی ذمہ داری اسلام پر نہیں ہے، اور ان میں سے کوئی چیز اگر غلط ہوجائے تو اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا''۔ ((ترجمان القرآن ، رمضان وشوال ۱۳۶۴ھ))

ایک تیسرے مقام پر مودودی کی عبارت اس طرح ہے:'' حضور کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہوجائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانے میں ظاہر ہو، لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا، اب ان چیزوں کو اس طرح نقل وروایت کئے جانا کہ گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ اسے حدیث ہی کا صحیح مفہوم کہا جاسکتا ہے، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس قسم کے معاملات میں نبی کے قیاس وگمان کا درست نہ نکلنا ہرگز منصبِ نبوت پر طعن کا موجب نہیں ہے''۔ ((ترجمان القرآن، ربیع الاٴول ۱۳۶۵ھ)) ماخوذ از: ((تحریکِ جماعت اسلامی اور مسلک اہلِ حدیث:۵۶، ۵۷))

❁ مودودی نے صرف اسی مسئلہ میں چار بڑے بڑے عظیم جرم کا بڑی دلیری سے ارتکاب کیا ہے۔دجال کے بارے میں وارد صحیح احادیثِ رسول ﷺ کی جراءت کے ساتھ تکذیب، دین کے ثابت شدہ اعتقادی امر کا

استہزا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام کہ انہیں امورِ دین میں شک تھا، عمداً تقول علی اللہ یعنی تشریع۔ اور یہ چاروں امور کفریہ اعمال میں سے ہیں)

نبی بھی کوئی خبر دیں [اور اس میں ڈاؤٹ ہو؟] ''اللهم اِنّي أَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، وأَعوذُ بکَ من فِتنَةِ المحيا وفِتنَة المماتِ ، اللهم انّي أعوذ بک من المأثم والمَغْرِمِ''۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام زندگی بھر ان چار چیزوں سے نماز کے اندر، تشہد میں پناہ مانگتے رہے''۔ ④

④ (صحیح البخاری: ۸۳۲، صحیح مسلم: ۵۸۹)

اور امت کو حکم دیا: ''تم میں سے کوئی آدمی سلام نہ پھیرے جب تک کہ ان چار چیزوں سے پناہ نہ مانگ لے'' [جس میں ایک فتنۂ دجال سے پناہ ہے]۔ ⑤

⑤ (صحیح مسلم: ۵۸۸، سنن ابی داود: ۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۹۰۹))

صحیح مسلم کے الفاظ اس طرح ہیں: عن أبي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :. " اذا تشهد أحدكم فليستعذ بالله من أربع ، يقول: اللهم اني أعوذبک من عذاب جهنم ، ومن عذاب القبر، ومن فتنة المحيا والممات، ومن شر فتنة المسيح الدجال"۔)

لیکن معاملہ سب ڈاؤٹ کا ہے، سوچا آپ نے کبھی؟ سارا معاملہ کس کا ہے؟ [ڈاؤٹ کا]!!

ڈاؤٹ، ڈاؤٹ، ڈاؤٹ پتہ نہیں کتنا ڈاؤٹ آیا۔

کبھی اپنے باپ کے بارے میں ڈاؤٹ نہیں ، ماں کے بارے میں ڈاؤٹ نہیں ، اولاد کے بارے میں ڈاؤٹ نہیں ، اپنے انسان ہونے میں ڈاؤٹ نہیں، ڈاؤٹ ہے تو سب کتاب اللہ اور سنتِ رسول میں۔

ڈاؤٹ کس میں ہے؟ بخاری نے اتنی حدیثیں نقل کیں، کیا گیارنٹی کہ بخاری نے صحیح کہہ دیا تو صحیح ہی ہوں گی۔ یہ ڈاؤٹ، ڈاؤٹ پیدا ہوا۔

اسی لئے جس موقعہ پر یہ ساری چیزیں انہوں نے شروع کی، اَور دنیا [کے علماء] کو چھوڑو! الحمدللہ علماءِ اہلِ حدیث نے اپنے وعظ ونصیحت ، اور اپنے تحریروں کے ذریعہ اس کا مقابلہ شروع کیا۔

اور اللہ کی قسم اگر ہمارے اسلاف: مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا اسماعیل گوجرانوالہ، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا سید داؤد غزنوی ، مولانا عبدالوہاب آروی ، مولانا خطیب الاسلام عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری، یہ علماء اگر دل وجان سے مقابلہ نہ کئے ہوتے، تو شاید آج یہ اہلِ حدیث نہ ہوتے سب جماعتِ اسلامی کے ہوگئے ہوتے۔

لیکن انہوں نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی، برابر جہاں رہے مقابلہ کرتے رہے۔

اس لئے سب سے پہلا فتنہ جو مالیرکوٹلہ کی مسجد پر ہوا، وہاں بڑے فتنے ہوئے ، یہی عقائد پھیلائے جارہے تھے، بات اتنی بڑھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھردے۔ (آمین) مالیرکوٹلہ میں وزیرِ تعلیم ہونے کے باوجود سفر کیا جا کر دیکھا اور کہا: اے جماعتِ اسلامی کے لوگو! اس مسجد کو چھوڑو، یہ تمہارا قبضہ غلط ہے، تم اہلِ حدیث نہیں ہو، یہ مسجد اہلِ حدیث ہے، اور اہلِ حدیث کے حوالہ کی گئی، بڑے مشکلوں سے وہ مسجد آزاد ہوئی۔ ⑥

⑥ (تحریک جماعتِ اسلامی اور مسلک اہلِ حدیث: ۱۴)) میں اس قضیہ کے متعلق یوں لکھا ہوا ہے: ''ریاست مالیرکوٹلہ میں جماعت اہلِ

حدیث قدیم زمانہ سے موجود ہے، حنفیوں کے ساتھ تو اختلاف رہتے ہی تھے، لیکن کچھ عرصہ سے اہل حدیثوں میں آپس میں مودودیت اور غیر مودودیت کے سلسلہ میں پھوٹ پڑ گئی اور یہ اختلاف اس قدر بڑھا کہ ایک ہی مسجد اہلِ حدیث میں دو جماعتیں ہونے لگیں۔ بالآخر یہ معاملہ امام الہند حضرت العلامہ مولانا ابوالکلام صاحب آزاد رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا مولانا ممدوح نے جو بصیرت افروز فیصلہ صادر فرمایا ہے۔۔۔''۔ اس فیصلہ کو کتاب ((تحریک جماعت اسلامی اور مسلک اہلِ حدیث تالیف: داؤد راز ص: ۱۵ تا ۱۹ طبع: مکتبہ السنۃ، کراچی ۱۴۱۳ھ)) میں دیکھا جاسکتا ہے!!)

تو میرے بھائیو! میں یہ کہتا ہوں کہ ڈاؤٹ ڈاؤٹ ہی ہوتا ہے، جب لکھنے والے کو ڈاؤٹ ہے تو پڑھنے والا ڈاؤٹ کے دریا میں ڈوب جائے گا۔

اس لئے کیوں ایسا نہیں کرتے کہ پڑھو ان کو، سنو ان کو، سیکھو ان سے، جن کو اللہ نے ڈاؤٹ سے پاک رکھا ہے، آ گئی نا بات سمجھ میں؟ ڈاؤٹ والا معاملہ ہوگا تو ڈاؤٹ ہی میں آپ انکار کرنے والے بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول پر بغیر ڈاؤٹ والا بنائے۔ عمل کریں کتاب وسنت پر اور بغیر ڈاؤٹ والا۔

یہ ڈاؤٹ والا چکر: اللہ اکبر!!

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی ''خطاب بہ مودودی'' ⑦۔ پہلی کتاب جو ان کی مخالفت میں لکھی ''خطاب بہ مودودی''۔ کیوں لکھا؟ اس لئے لکھا میرے بھائیو! اس کے اندر آیا کہ: بخاری کے جتنے راوی [ہیں] کیا گیارنٹی کہ امام بخاری نے اس کو ثقہ کہا اور امام بخاری کو علم ہی نا ہو؟ جھوٹے کو امام بخاری نے ثقہ کہہ دیا۔

⑦ (یہ رسالہ ثنائی برقی پریس امرتسر سے فروری ۱۹۴۶ء میں ہی کتابچہ کی شکل میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ جس میں مودودی کے متعلق اُس سلسلہ مضمون کو درج کیا گیا ہے جو ''اخبارِ اہلِ حدیث'' میں ۱۴ رستمبر ۱۹۴۵ء سے ۳۰ رنومبر ۱۹۴۵ء تک شائع ہوتا رہا۔)

یہی سارے افکار تھے، جس کی بنا پر علماء اہلِ حدیث ہمیشہ ان کے مقابلہ میں جہاد کرتے رہے۔

لیکن اور سب سے بڑا آسان معاملہ اگر آپ کو ڈاؤٹ نہیں تو کیا کہیں گے؟ یہی حق ہے، اور حق کے علاوہ جتنا ہے سب؟ سب کیا ہے؟ باطل!!۔

اور اگر ڈاؤٹ آ گیا کہ نہیں یہ بھی [صحیح] ہے تو وہ بھی [صحیح]، وہ بھی تو آخر کلمہ ہی پڑھتا ہے، بس!! وہ بھی تو کلمہ ہی پڑھتا ہے۔

اسی لئے یہ لوگ کہتے ہیں: ارے ہندو کو مسلمان بناؤ وہ بے چارہ قبر ہی کا سجدہ سہی لیکن ہے تو مسلمان!!

اتنی روشن خیالی کس نے پیدا کیا؟ ڈاؤٹ نے پیدا کیا!!

اگر ڈاؤٹ نا ہوتا: یعنی حق کے حق ہونے، اور باطل کے باطل ہونے میں تو بہت خیر تھا، [لیکن ان کا معاملہ تو یہ ہے انہیں اس پر] یقین نہیں بلکہ کیا ہے؟ [انہیں] حق کے حق ہونے میں ڈاؤٹ، اور باطل کے باطل ہونے میں ڈاؤٹ [ہے]۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے!!

[شیخ حفظہ اللہ کا مذکورہ جواب یوٹوب پر موجود ایک ویڈیو سے تفریغ کیا گیا ہے۔ تفریغ مکمل ہوئی: ۲۹ رجنوری ۲۰۱۸ء]

❖ ❖ ❖

[۲]

تزکیہ وتربیت

اسلامی معاشرہ کیسا ہوتا ہے؟

ابوابراہیم کمال الدین سنابلی بدایونی

اسلام ایک مکمل اور عالمگیر مذہب ہے، اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک بنیاد فراہم کرتا ہے، اصول وضوابط دیتا ہے، عقیدہ و عبادت سے لیکر رہن سہن اور زندگی گزارنے کے آداب سکھاتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسلامی اصول وضوابط کے مطابق اپنے سماج کی تشکیل کریں۔

آیئے دیکھیں کہ اسلام کس طرح کا سماج چاہتا ہے، یعنی اسلامی معاشرہ کیسا ہوتا ہے؟

1۔توحید :

اسلامی معاشرے کی سب سے پہلی صفت ہے "توحید"، اسلام اپنے ماننے والوں کو توحید کا پابند بناتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی تو لوگوں کو سب سے پہلے توحید ہی کی دعوت دی، انہیں بتایا کہ تمہارا الہ ایک ہی الہ ہے، وہی تنہا عبادت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے علاوہ دنیا کے تمام معبود باطل ہیں۔

مکہ والوں کے لیے یہ چیز بڑی عجیب وغریب تھی کہ صرف اور صرف ایک ہی معبود کی عبادت کی جائے، وہ یہ ماننے کے لیے راضی تھے کہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے، وہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ اللہ ہی زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے، وہی سورج اور چاند کو مسخر کیے ہوئے ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، لیکن وہ یہ ماننے کے لیے راضی نہیں تھے کہ عبادت بھی صرف اور صرف اسی ایک اللہ کی کی جائے۔

جو شخص شرک کا رسیا ہوتا ہے وہ توحید کی مٹھاس نہیں جانتا بلکہ اس کے لیے تو یہ بات حیرت وتعجب کی ہوتی ہے کہ عبادت کے لائق صرف ایک ہی الہ ہے، اسی وجہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں توحید کی دعوت دی تو انہوں نے حیرت وتعجب سے کہا: (أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ)(سورہ:ص، آیت نمبر:5)

"کیا اس نے بس ایک ہی معبود مان لیا ہے، یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے"۔(ص:5)

مکہ والوں کو توحید کا فارمولا پسند نہیں تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے دعوتِ توحید سے باز رہنے کو کہا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت سے باز نہیں آئے تو مکہ والوں نے آپ کو ستانا شروع کر دیا، توحید کی دعوت قبول کرنے والوں پر ظلم وستم کرنا شروع کر دیا، آپ کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے گئے، غلط القابات کی یورش کی گئی، طائف کی بستی میں آپ پر پتھر برسائے گئے۔

لیکن ان تمام مظالم کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت دیتے رہے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اسلامی سماج ومعاشرے کی اولین پہچان "توحید" ہی ہے، جب تک یہ لوگ توحید کو نہیں مانیں گے، ان کے کسی اچھے عمل کا کوئی فائدہ

نہیں، اگر یہ نماز پڑھنے والے بن جائے، روزے رکھنے والے بن جائیں، اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرنے لگیں، یتیموں کا خیال رکھیں، مسکینوں کی مدد کریں، بیواؤں کی خبر گیری کریں، شراب پینا چھوڑ دیں، سود کے لین دین سے باز آجائیں، الغرض تمام اچھائیوں کو قبول کرلیں لیکن اگر توحید ان کے پاس نہ ہو تو سب کچھ ضائع و برباد ہے:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالص اسلامی معاشرے کے لیے جدوجہد کرتے رہے اور انہیں توحید کا خوگر بنانے کے لیے مسلسل محنت کرتے رہے۔

بالآخر نیک طبیعتیں ظاہر ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ لوگ توحید کی مٹھاس سے آشنا ہونے لگے، ایک ایک دو دو کر کے اسلام قبول کرنے لگے، اور پھر وہ لوگ جو کبھی شرک کے رسیا تھا، توحید سے محبت کرنے والے بن گئے، کبھی توحید کے ذکر سے جن کے منہ کا ذائقہ بگڑ جاتا تھا، اب توحید کی مٹھاس سے آشنا ہوئے تو توحید کے اس قدر رسیا بن گئے کہ دنیا کا کوئی ظلم وستم انہیں توحید سے نہ پھیر سکا، کوئی طاقت ان کے قدموں کو متزلزل نہ کرسکی۔

دراصل توحید اسلامی معاشرے کو دیگر معاشروں سے ممتاز کرنے والی سب سے بڑی صفت ہے، دوسری اچھائیاں ممکن ہے کچھ دیگر مذاہب میں بھی مل جائیں، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک، عمدہ اخلاق، جھوٹ سے پرہیز، سچ کی حوصلہ افزائی، یہ وہ عام اچھائیاں ہیں جو دیگر مذاہب میں بھی مل سکتی ہیں لیکن توحید ایسی چیز ہے جو اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں نہیں، کوئی 3 خداؤں کا عقیدہ رکھتا ہے تو کوئی 33 کروڑ کا، اور کوئی "خدا" تو ایک ہی مانتا ہے کہ ہم سب کا ایشور ایک ہے لیکن عبادت کو ایک ایشور کے لیے خاص نہیں کرتا بلکہ اس کا یہ نظریہ ہیکہ ہمیں جس جس چیز سے فائدہ ہوتا ہے ہم اس کی عبادت کرسکتے ہیں یا جو طاقتور ہے، اس کی بھی عبادت کرسکتے ہیں، پیپل کا درخت سایہ دیتا ہے لہٰذا اس کی پرستش ہونی چاہیے، سورج روشنی دیتا ہے لہٰذا اس کی پوجا ہونی چاہیے، گائے دودھ دیتی ہے لہٰذا وہ بھی پوجے جانے کے لائق ہے (یہ الگ بات ہے کہ سایہ تو نیم کا درخت بھی دیتا ہے، دودھ بھینس بھی دیتی ہے، روشنی چاند بھی دیتا ہے لیکن ان کے دل نے جسے معبود مان لیا اسے مان لیا) لیکن اسلام واحد ایسا مذہب ہے جو یہ کہتا ہے کہ الہ ایک ہے اور وہی تنہا عبادت کے لائق ہے، باقی تمام دنیوی معبود باطل ہیں، لوگو! تم سورج چاند کی پوجا مت کرو بلکہ اس کی عبادت کرو جس نے سورج چاند کو پیدا کیا۔

لیکن افسوس کہ آج مسلم معاشرے نے اپنی اس امتیازی شان کو گنوا دیا ہے، وہ خطِ امتیاز جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتا ہے، اسی کو ختم کر دیا، وہ پتھروں کی عبادت تو نہیں کرتے لیکن مٹی کی قبر کے سامنے جھکنے لگے اور مردہ پرستی کی کوئی قسم ایسی نہیں بچی جو آج کے مسلمانوں میں نہ پائی جاتی ہو، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم سماج اپنی حیثیت کو پہچانے، اسلام کی شکل میں اسے جو نعمت ملی ہے اس کی قدر کرے اور خود کو توحید کا پابند بنائے۔

2۔اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اسلامی معاشرے کی دوسری سب سے اہم صفت یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کرتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاں توحید کی دعوت دی وہیں ان کے سامنے اپنی اطاعت کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا۔

دراصل رسول کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، یہ بات بڑی عجیب سی ہوگی کہ آپ کلمہ تو پڑھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور شرعی احکام میں اطاعت وفرمانبرداری کریں کسی اور کی، جب رسول کی رسالت ایمان کا جز ہے تو اس کی اطاعت بھی ایمان کا حصہ ٹھہرا۔

آپ ﷺ صحابہ کرام کے درمیان مختلف انداز میں اس بات کی وضاحت کرتے رہے کہ لوگو! رسول کی اطاعت کرو، ایک موقع پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى ". قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَنْ يَأْبَى ؟ قَالَ : " مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى " (بخاری، حدیث نمبر:7280)

یعنی" میری ساری کی ساری امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے اس شخص کے جس نے انکار کر دیا، صحابہ کرام نے پوچھا:" اے اللہ کے رسول! انکار کس نے کیا؟ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:" جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا" (بخاری، حدیث نمبر:7280)

لیکن حیرت ہے کہ اسلامی سماج کے باشندے جنت میں جانے کی آرزو بھی کرتے ہیں اور مختلف بہانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑنے والے مسلمانوں کو دو حصوں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

1۔ وہ مسلمان جو دین سے دور ہیں، ان سے جب شریعت کی پابندی کی بات کرو تو یہ مختلف حیلے بہانے پیش کرتے ہیں، داڑھی رکھنے کو بولو تو یہ بہانا کہ ابھی عمر ہی کتنی ہے، شادی ہو جائے، پھر رکھ لیں گے، شادی کے بعد بولتے ہیں، بچے ہو جائیں پھر رکھ لیں گے، بچوں کے بعد کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! بچے بڑے ہو جائیں اور ہمیں اس حلیے میں دیکھ لیں، پھر ان شاء اللہ ضرور رکھ لیں گے، نماز کو بولو تو کپڑوں کی ناپاکی کا مسلسل بہانہ، الغرض نبی کی اطاعت وفرمانبرداری پہ راضی نہیں ہوتے ،الا یہ کہ رب کی طرف سے توفیق مل جائے۔

2۔ رسول کی اطاعت سے منہ موڑنے والا دوسرا طبقہ مسلمانوں کا وہ ہے جو دیندار ہے، ان کے اپنے الگ حیلے بہانے ہیں رسول کی اطاعت سے منہ موڑنے کے، انہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی طریقہ بتاؤ تو کہتے ہیں کہ ہمارے بڑوں کو یہ باتیں نہیں پتہ نہیں تھیں کیا؟ بڑے آئے نئے نئے مولوی نئے نئے فتوے!

پھر جب آپ انہیں حدیث دکھا دو کہ یہ دیکھو یہ چیز حدیث سے ثابت ہے، بخاری ومسلم سے اگر الرجی ہے تو یہ لو ابن ماجہ میں، نسائی میں، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل موجود ہے، تو کہتے ہیں کہ حضرت ہم نے آپ کی بات سمجھ لی، بیشک حدیث میں اسی طرح ہے جیسے آپ بتا رہے ہو لیکن یہ بتاؤ کیا اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی؟ یہ لکھ کر فتوی دے دو کہ اس عمل کے بغیر نماز نہیں ہوگی، یعنی مسلمانوں کے اس دیندار طبقے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اتباع واطاعت سے منہ موڑنے کے الگ ہی حیلے بہانے ہیں۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کی جب تشکیل فرمائی تو اسلامی معاشرے کا وہ اولین گروہ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ کی اطاعت پر جان چھڑکتے تھے، یہ دیکھیے اطاعت وفرمانبرداری کی پیاری مثال، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لَمَّا اسْتَوَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ : " اجْلِسُوا "، فَسَمِعَ ذَلِكَ ابْنُ مَسْعُودٍ، فَجَلَسَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، فَرَآهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : " تَعَالَ يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ "۔(ابو داود، حدیث نمبر:1091)

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر چڑھے تو فرمایا" لوگو! بیٹھ جاؤ" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کی یہ آواز سنی تو مسجد کے دروازے ہی پر بیٹھ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا" عبداللہ اندر تشریف لے آؤ" (ابوداود، حدیث نمبر:1091)

یہ ہوتا ہے اطاعت کا جذبہ، حالانکہ اگر عبداللہ ابن مسعود مسجد کے دروازے کے بجائے اندر ہی آکر بیٹھتے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا، کیونکہ رسول کی منشا ہی یہ تھی کہ سب لوگ مسجد میں بیٹھ جاؤ لیکن قربان جایئے عبداللہ بن مسعود کے جذبے پر کہ ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ کانوں میں رسول کا حکم آجانے کے بعد ایک قدم بھی آگے بڑھائیں، اس حدیث کی روشنی میں ہم مسلمانوں کو اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہمارے اندر بھی یہی جذبۂ اطاعت پایا جاتا ہے؟ اگر پایا جاتا ہے تو اچھی بات ہے ورنہ اطاعتِ رسول کے جذبے کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کی مسلم سماج کے ہر فرد کو ضرورت ہے۔

اطاعت رسول کا ایک فائدہ یہ بھی ہیکہ اس کی بنیاد پر مسلمانوں میں اتفاق واتحاد قائم ہوسکتا ہے، ورنہ تو بتایئے وہ کونسی شخصیت ہے جس کے جھنڈے تلے تمام مسلمان متفق ومتحد ہو جائیں؟ کیا ہے کوئی؟ ہرگز نہیں، ایک کہے گا کہ میرے امام سب سے بڑے ہیں، آؤ سب ان کی مان لو، دوسرا کہے گا کہ وہ آپ کے نزدیک بڑے ہونگے لیکن ہمارے نزدیک تو فلاں امام زیادہ محترم ہیں لہذا آؤ تم سب ان کی مان لو، تیسرا شخص اپنے امام کے فضائل ومناقب بتائے گا اور چوتھا شخص اپنے امام کی اہمیت پر دلائل دے گا، کبھی بھی مسلمان کسی ایک شخصیت پر متفق نہیں ہو سکتے، لیکن ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت وہ محترم شخصیت ہے جن کو سب مان سکتے ہیں، آواز لگائی جاسکتی ہے کہ او دنیا والو! آؤ، تم عربی ہو تو آؤ عجمی ہو تو آؤ، ہندی ہو تو آؤ اور جاپانی ہو تو آؤ، گورے ہو تو آؤ اور کالے ہو تو آؤ!

الغرض تم کسی بھی خطے، کسی بھی قبیلے، کسی بھی رنگ اور کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہو، آؤ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے تم سب متحد ہو جاؤ، تو ان شاء اللہ تمام مسلمان متحد ہو سکتے ہیں، بات تب بگڑتی ہے جب لوگ اپنی اپنی شخصیتوں کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں، لہذا مسلمانوں کو اپنے اندر یہ صفت بھی پیدا کرنی چاہیے کہ ان کا ہر فرد نبی کا شیدائی ہو، نبی کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے والا ہو، تاکہ ایک اچھا اسلامی معاشرہ وجود میں آسکے۔ (جاری)

❖ ❖ ❖

[۲]

معاشرتی مسائل

بچوں کی نفسیات اور تربیت کے تقاضے

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

تربیت کب؟

انسانی شخصیت کی ہر خوبی اور خامی، ہر کمال اور نقص کی جڑیں اس کے بچپن میں پیوست ہوتی ہیں، انسانی کردار کی بنیادیں اس کے بچپن میں رکھی جاتی ہیں اس کی شخصیت کی پوری عمارت انہیں بنیادوں پر قائم ہوتی ہے، بچپن میں ملنے والا ماحول، تعلیم، تربیت، مشاہدات، تجربات، حادثات، رویے انسان کے کردار کو تراشتے ہیں، سنوارتے ہیں یا بگاڑتے ہیں، بلند کرتے ہیں یا پست کرتے ہیں، انسان کا کردار بچپن میں اس کے ذہن پر لکھے گئے متن کی شرح ہوتا ہے، انسان کی فکر اور سوچ کا بیج اس کے بچپن میں بویا جاتا ہے اس کے کردار کا حسن اور قبح اس کے بچپن میں کی گئی تخم ریزی کا نتیجہ ہوتا ہے، جس طرح ایک کاشتکار کے فصل کی عمدگی کا انحصار اس کے بیج کی عمدگی اور کاشتکاری میں اسکی محنت پر ہوتا ہے اسی طرح ایک انسان کی کردار کی عمدگی کا انحصار بھی بچپن میں اسکو ملنے والے ماحول اور تربیت پر ہوتا ہے، ماں باپ اپنے بچوں میں بڑے ہونے کے بعد کردار کے جو کمالات دیکھنا چاہتے ہیں ان کے بیج بچپن ہی میں اس کے ذہن اور کردار میں بونے چاہیے، ان کے کردار کو جس سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں اس کی صورت گری ان کو بچپن ہی میں کرنی چاہیے۔

تربیت کے لیے فکرمندی اور منصوبہ بندی :

بچوں کی تربیت بہت بڑا مشن ہے جو والدین کے سپرد کیا جاتا ہے، بچوں کی تربیت ایک محنت طلب ذمہ داری ہے، اس کے لیے انتہائی نگہداشت اور توجہ درکار ہوتی ہے، یہ کام بغیر کامل منصوبہ بندی کے ممکن نہیں، بچوں کا ذہن ایک زرخیز کھیت کے مانند ہوتا ہے، اس میں کمال کا ایک ایک پودا بونا پڑتا ہے، نقائص کی خودرو جھاڑیاں نکال کر الگ کرنی پڑتی ہیں، ایمان، تقویٰ، تدیّن، حبِّ الٰہی، خوفِ خدا، توکل، انابت، ، قناعت، سخاوت، شرافت، شجاعت، خود اعتمادی، رقتِ قلب، حیا، غیرت، کظمِ غیض، صبر وتحمل، ایمانداری، عہد کی پاسداری، سلیقہ شعاری، راست بازی، خوش گفتاری، حسنِ خلق، عاجزی وانکساری، محنت کشی، انصاف پسندی، وقار اور سنجیدگی غرضیکہ انسانی شخصیت کے ہر کمال کا بیج جب بچپن کی زمین پر بویا جاتا ہے تو عمر کی پختگی کے ساتھ کردار میں اس کے ثمر بارآور ہوتے ہیں، تربیت کوئی خودکار کام نہیں، اس کے لیے ہر ہر قدم پر محنت درکار ہوتی ہے، اس لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ والدین اپنی ذمہ داری کا احساس کریں، تربیت کی اہمیت کو سمجھیں، اس کے لیے درکار احساس ذمہ داری پیدا کریں اور خود کو اس محنت کے لیے تیار کریں۔

ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ بچوں کی کردار سازی کی طرف ہماری توجہ اتنی بھی نہیں ہوتی جتنا ایک گھر کی تعمیر میں ہوتی ہے، ہم ایک چھوٹا سا گھر بھی تعمیر کرتے ہیں تو پوری پلاننگ اور منصوبہ بندی کے ساتھ کرتے ہیں، کھڑکی کہاں کھولنی ہے، کچن کس حصے میں ہوگا، بیڈ اور صوفے کہاں رکھے جائیں گے، ٹائلز کس طرح کی ہوگی، کلر کون سا لگایا جائے گا، غرضیکہ کہ ایک ایک کام کامل منصوبہ بندی کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے، لیکن بچوں کی تربیت کے حوالے سے ہمارا رویہ بالکل لاپرواہی کا ہوتا ہے ، ہمارے معاشرے میں بچوں کی کرداز سازی ماں باپ کے بجائے موبائل فون اور ٹی وی سے ہورہی ہے، ہم نوجوان نسل

کے بگاڑ کا رونا روتے ہیں، حالانکہ اس بگاڑ کے اصلی مجرم ہم خود ہیں، یہ نوجوان آسمان سے نازل نہیں ہوتے، یہ ہمارے گھر میں پرورش پاتے ہیں، ان کا بگاڑ ہماری لاپرواہی اور غیر ذمہ دارانہ رویہ کی پیداوار ہے۔

اسوہ کی پیروی :

انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہدایات سے زیادہ اسوہ کی پیروی کرتا ہے، حکم سے زیادہ مثال کے پیچھے چلتا ہے، انسان کی اسی فطرت کا خیال رکھتے ہوئے اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے محض احکام نازل نہیں کیے بلکہ اسوہ کی شکل میں انبیاء کو مبعوث فرمایا۔

نقالی انسان کی فطرت کا سب سے طاقتور داعیہ ہے، انسان اپنے سامنے موجود مثال کے مطابق خود کو ڈھالتا ہے، انسان کے کردار پر اس کے ماحول کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے، بچوں کے سیکھنے کی ابتداء بھی نقالی سے ہوتی ہے، بچہ عقل اور شعور کی منزل پر پہنچتے ہی اپنے اردگرد کے افراد کی نقل کرنا شروع کر دیتا ہے، احکام سمجھنے اور ہدایات پر عمل کرنے کا مرحلہ بہت بعد میں آتا ہے، یہ بات آپ کے مشاہدے میں بھی آئی ہوگی کہ چھوٹا بچہ جو ابھی اٹھنے بیٹھنے لائق بھی نہیں ہوا ہے گھر میں والدین کا نماز پڑھتا ہوا دیکھتا ہے تو اپنے طور پر ہاتھ باندھنے اور سجدے میں جانا شروع کر دیتا ہے، گھر میں باپ اگر سگریٹ پیتا ہے تو چھوٹا بچہ بھی موقع پا کر سگریٹ اٹھا کر منہ میں لگالیتا ہے، یہ انسان کی فطرت ہے، وہ اپنے سامنے موجود مثالوں کے مطابق خود کو ڈھالتا ہے، اس لیے انسان کا کردار، اس کی ذہنیت اور عقیدے، اس کے رہن سہن، بول چال، اخلاق اور آداب پر اس کے ماحول کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے، جس طرح انسان کا جسم بچپن میں ملنے والے موسم کے مطابق خود کا ایڈجسٹ کرتا ہے اس طرح اس کی نفسیات اور کردار بچپن میں ملنے والے ماحول کے مطابق خود کو ڈھال لیتے ہیں، اس لیے انسان کا کردار اس کے ملے ماحول کا مظہر ہوتا ہے، اس کی سوچ، گفتگو، اخلاق بتاتے ہیں کہ کس طرح کے ماحول میں اس کی نشونما ہوئی ہے اور کس طرح کے لوگوں کے ساتھ رہ کر وہ بڑا ہوا ہے۔

بچوں کی تربیت کی ابتداء اپنی تربیت سے :

والدین کا کردار بچوں کے لیے سب سے زیادہ مثالی ہوتا ہے، زندگی کے ابتدائی دور میں بچوں کے سامنے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ والدین ہی کا اسوہ ہوتا ہے، اس لیے بچے کے اخلاق اور کردار پر سب سے زیادہ والدین کے اخلاق اور کردار ہی اثر انداز ہوتے ہیں، لہٰذا بچے کی تربیت کی ابتداء بھی والدین کی تربیت سے ہوتی ہے، بچے اپنے والدین کے نقش قدم پر چلتے ہیں اس لیے پہلے والدین کے لیے ضروری ہے کہ اپنا رخ درست کریں، خود کو اس راستے پر ڈالیں جس راستے پر وہ اپنے بچے کو چلانا چاہتے ہیں، اچھائی اور برائی کا تصور بچے میں والدین سے منتقل ہوتا ہے، دین، عقیدہ، اخلاق اور آداب بچے کو اپنے والدین سے وراثت میں ملتے ہیں، اچھائی اور برائی بچہ دونوں اپنے ماں باپ سے سیکھتا ہے، لہٰذا والدین جو خوبیاں اپنے بچوں میں پیدا کرنا چاہے ہیں پہلے خود ان کو اپنی شخصیت میں وہ خوبیاں پیدا کرنی پڑیں گی، جن برائیوں سے اپنے بچوں کو بچانا چاہتے ہیں پہلے خود اپنے کردار سے ان برائیوں کو ختم کرنا پڑے گا، والدین کا کردار وہ سانچہ ہوتا ہے جس میں بچہ خود کو ڈھالتا ہے، لہٰذا والدین جو کردار والدین اپنے بچوں سے چاہتے ہیں۔ پہلے د اس کردار میں خود کو ڈھالیں۔

والدین کے کردار کی خوبیاں ان کے بچوں میں منتقل ہوں اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ والدین اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ وقت دیں، ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ والدین کے پاس بچوں کے لیے وقت نہیں، بچوں کو والدین سے زیادہ موبائل اور ٹی وی کی صحبت میسر ہے اس لیے بچوں کے کردار پر بھی والدین

سے زیادہ فلمی اداکاروں اور کارٹون کے کرداروں کا اثر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کی پیروی :

انسان جس کو عظیم سمجھتا ہے اس کے نقش قدم پر چلتا ہے، اپنے کردار کو اس کے کردار کے موافق بناتا ہے، اس کو اپنے لیے اسوہ اور مثال مان کر اس کے جیسا بننے کے کوشش کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ بچپن سے ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت بچوں کے دل میں بٹھائی جائی، بچہ بولنے لائق ہو تو کلمہ توحید کے ساتھ کلمہ رسالت یاد کرایا جائے، مختلف حوالوں سے بار بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اس کے سامنے لیا جائے۔ بچے کی ذہنی صلاحیت کے مطابق آسان لفظوں میں اس کو رسالت اور رسول کے معنی اور اہمیت سے آگاہ کیا جائے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت آسان لفظوں میں بتائی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور کردار کی خوبیاں بیان کی جائیں تاکہ بچے کی دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور عظمت پیدا ہو، یہ محبت اور وابستگی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے راستے پر چلائے گی۔

دوستوں کا حلقہ :

والدین کے بعد انسان کی شخصیت پر سب سے زیادہ اثر اس کے دوستوں کا ہوتا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ''الرجل علیٰ دین خلیله فلینظر من یخالل'' یعنی ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا ہر آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کسے اپنا دوست بنا رہا ہے''۔ (ترمذی)

گرچہ ماحول اور معاشرے میں بہت ساری خرابیاں ہیں لیکن بچوں کو سماج سے کاٹ کر نہیں رکھا جا سکتا، اس لیے والدین کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو دوستوں کا اچھا حلقہ فراہم کریں، دو مقامات ہیں جہاں سے بچے کو دوست میسر آتے، ایک محلہ اور دوسرا اسکول، والدین کو چاہیے کہ رہائش کے لیے اچھے علاقے اور تعلیم کے لیے ایسے اسکول کا انتخاب کریں جہاں سے بچوں کو اچھے دوست مل سکیں۔

کوئی بچہ نالائق نہیں ہوتا :

اللہ رب العزت نے یہ کائنات حق کے ساتھ پیدا کی ہے، اس میں پیدا کی گئی ہر چھوٹی بڑی شئی کی تخلیق کے پیچھے اللہ رب العزت کی حکمت ہے، قرآن مجید میں یہ حقیقت اللہ نے مختلف مقامات پر بیان کی ہے کہ اللہ نے کائنات کو باطل نہیں پیدا کیا، یعنی ہر مخلوق میں اللہ نے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور رکھا ہے، اس کائنات کی ہر مخلوق میں خواہ جاندار ہو یا بے جان اللہ نے کسی نہ کسی طرح کا کمال رکھا ہے، انسان تو اس کائنات کی سب سے اعلیٰ اور اشرف تخلیق ہے، اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ نے کسی انسان کو بغیر کسی کمال کے پیدا کر دیا ہو اور کوئی لیاقت اور صلاحیت اس کی شخصیت میں نہ رکھی ہو۔

کائنات کی تخلیق میں اللہ نے تنوع رکھا ہے، یہ تنوع انسان کی تخلیق میں بھی رکھا ہے، جیسے انسانوں کے چہرے مختلف بنائے ہیں ویسے ہی ان کی صلاحیتیں بھی مختلف بنائی ہیں، سوچنے، سمجھنے اور سیکھنے کے طریقے مختلف رکھے ہیں، ہر بچہ منفرد صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے، ہر بچے میں اللہ نے الگ الگ طرح کے کمالات رکھے ہیں، ہمارے معاشرے میں محض حافظے اور زود فہمی کو ہی کمال سمجھا جاتا ہے اور جس بچے کا حافظہ کمزور ہو یا باتوں سمجھنے میں دقت پیش آتی ہو اس کو نالائق سمجھ کر سائڈ کر دیا جاتا ہے، بچے کے ساتھ ایسا رویہ رکھنا ظلم ہے، ہر بچہ منفرد ہے، والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کی شخصیت کو پرکھیں، اس کی نفسیات کا تجزیہ کے اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیں، اس کے کمالات اور نقائص، خوبیوں اور خامیوں کو سمجھیں، اس کی خوبیوں کو پروان چڑھائیں، اس کی صلاحیتوں کو تیز کریں اور خامیوں پر قابو پانے میں اس کی مدد کریں۔ (جاری)

❖ ❖ ❖

[۲]

خصوصی مضمون

جاہ ومرتبہ اور شہرت وسرداری کی خواہش: مظاہر اور علاج

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

جاہ ومرتبہ، شہرت اور سرداری طلبی کے چند مظاہر:

۱۔ مدح وستائش کی خواہش اور اس کے حصول پر مسرت اور عدم حصول پر رنج وملال۔

۲۔ منصب طلبی اور اس میں مقابلہ آرائی، خواہ اس کیلئے بعض محرمات کا ارتکاب اور بعض واجبات کو ترک ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

۳۔ ڈاکٹر، شیخ اور استاذ وغیرہ القاب وآداب کی خواہش، اور اس کے بغیر نام لئے جانے پر ناراضگی کا اظہار۔

۴۔ قربت کی غرض سے بادشاہوں اور بڑے عہدیداروں کے پاس بکثرت آنا جانا۔

۵۔ انسان کا اس بات کی خواہش کہ اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اسی طرح اس کا حکم نافذ ہو، رد نہ کیا جائے، اور بلا مناقشہ اس کی رائے تسلیم کر لی جائے۔

۶۔ انسان کا اس بات کی خواہش کہ لوگ اس کی جی حضوری کریں، مانگیں، اپنی ضرورتیں پیش کریں، اور انہیں اپنی طرف مائل کرے، خواہ وہ دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبت، عبادت گزار اور صاحب علم ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ اس بات کی خواہش کہ لوگ اس کی تعظیم کریں، اس کی پیشانی اور ہاتھ چومیں، اور اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔

۸۔ فتویٰ دہی کی جرأت، اس کی خواہش اور اس کا بکثرت اجراء۔

۹۔ مجلس کی سربراہی وصدارت اور کثرت افراد وحلقۂ طلاب کی خواہش، اور مخالفین پر طعن وتشنیع۔

☆ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے اکثر علماء کو دیکھا ہے کہ وہ علم کی شکل وصورت اور ظاہری ہیئت کے چکروں میں پھنسے ہوئے ہیں، چنانچہ ایک فقیہ تدریس میں فکرمند ہے، ایک واعظ اپنی وعظ کے بارے میں فکرمند ہے، یہ اپنے درس کا اہتمام کرتا ہے اور کثرت سامعین سے خوش ہوتا ہے اور اپنے مخالف کی بات پر نکتہ چینی کرتا ہے، اس کا سارا وقت تعارض و تناقض والے مسائل کی فکر میں ضائع ہوجاتا ہے تاکہ وہ اپنے مخالف کو زیر کر سکے، صدارت وسربراہی اور مجلسوں میں بلندی کا حصول ہی اس کا نصب العین ہے۔

بسا اوقات اس کا ہدف محض دنیوی ساز و سامان بٹورنا اور شاہان وسلاطین کی صحبت وہم نشینی اختیار کرنا ہوتا ہے۔

اور واعظ کو صرف اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ اس کی بات با اثر کیسے ہو؟ اس کے حاضرین کی تعداد کیسے بڑھے؟ اور اپنی تعظیم پر لوگوں کے دلوں کو کیسے کھینچے؟ لہٰذا اگر کوئی اسی جیسا مشغلہ اپناتا ہے تو وہ اس پر طعنہ کرنے لگتا ہے۔

یقینا یہ اللہ عزوجل سے غافل دل ہیں، کیونکہ اگر ان دلوں میں اللہ کی معرفت ہوتی تو یہ اس میں مشغول رہتے، اس کی مناجات سے انہیں انس وفرحت ہوتی اور وہ اللہ کی اطاعت کو ترجیح دیتے'' (صید الخاطر ص (۳۳۵))۔

آج کے اس دور میں ہم کیا کہیں گے، جس میں اپنی ذات اور اپنے گروہ کی طرف دعوت دینے والوں کی کثرت ہوگئی ہے اور علم وبصیرت کی روشنی میں اللہ کی طرف بلانے والے بہت ہی

کم رہ گئے ہیں۔

جاہ و مرتبہ، شہرت اور ریاست طلبی کا علاج ①

① (دیکھئے: إحیاء علوم الدین، ۳/ ۳۰۴)

۱۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ جاہ و مرتبہ کی طلب، شہرت اور لوگوں کے دلوں میں مقام و برتری کی خواہش ایک ایسا مقصد ہے جو اخلاص کے متصادم اور بندہ کے دل کو اللہ عز وجل کی نعمتوں کی چاہت سے مخلوق کے توقیر و احترام اور ان کی تعریف و ستائش کی طرف مائل کرنے والا ہے، جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کے مراقبہ سے بیگانہ ہو کر لوگوں کا مراقبہ کرنے، نیز ان کے سامنے اپنے آپ کو اوصاف کمال سے متصف ظاہر کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، اور پھر وہ (نعوذ باللہ) ریاکاری اور نفاق میں داخل ہو جاتا ہے۔

۲۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ دنیا میں جاہ، شہرت اور منزلت سے سرفراز لوگ لوگوں کے دلوں کی رعایت، حاسدین کے مکر و فریب کے دفاع اور دشمنوں کی ایذا رسانی سے تحفظ میں مشغول رہتے ہیں، کیونکہ ہر اونچے مقام و مرتبہ والا حسد اور ایذا رسانی کے نرغہ میں ہوتا ہے، یہ وہ حزن و ملال ہیں، جو دنیا ہی میں جاہ و منزلت کی لذت کو ٹھیس پہنچاتے رہتے ہیں، سچ کہا ہے کسی نے کہ شہرت پسندی انسان کی کمر توڑ دیا کرتی ہے۔

۳۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ دنیا کی شہرت آخرت میں نیکیوں کا حصہ نہیں ہے، بلکہ دنیا اور اس کے ساز و سامان کے ساتھ فنا ہو جانے والی شے ہے، اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

{ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا○ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى } (سورۃ الاعلیٰ: ۱۶، ۱۷)۔

تم تو دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت خیر اور بہت بقا والی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

{وَجِيهاً فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ} (آل عمران: ۴۵)

یعنی عیسیٰ علیہ السلام صرف دنیا میں نہیں، بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں صاحب وجاہت ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں فرمایا:

{ مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيَهْ ○ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ} (الحاقۃ: ۲۸-۲۹)

مجھے میرے مال نے کوئی فائدہ نہ دیا، میری سلطنت تباہ و برباد ہو گئی۔

یعنی مال اور جاہ و سلطنت انسان کو سب سے زیادہ بہکانے اور جہنم رسید کرنے کا سبب ہیں، سوائے اس کے جسے جائز طریقہ سے حاصل ہو اور اللہ اسے بہکنے سے محفوظ رکھے۔

۴۔ مسلمان کو ارباب شہرت اور طالبان جاہ و منزلت کی صحبت سے بچنا چاہئے، اور زیادہ تر نیک کاروں اور صداقت پسندوں اور بالخصوص فقراء و مساکین کی ہم نشینی اختیار کرنی چاہئے۔

۵۔ مسلمان کو شہرت سے بچنے اور گمنام رہنے کی فضیلت جاننا چاہئے۔

''خمول'' کے معنیٰ گمنامی کے ہیں، جو شہرت کی ضد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **"إن الله يحب العبد التقي الغني الخفي"** روا ہ مسلم۔

بیشک اللہ عز وجل پوشیدہ، مالدار، تقویٰ شعار بندہ سے محبت کرتا ہے۔

اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

"رب أشعث مدفوع بالأبواب لو أقسم على الله لأبره" رواہ مسلم۔

بسا اوقات کوئی پراگندہ سر، دروازوں سے دھتکارا ہوا، اگر اللہ پر کوئی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پوری

کر دیتا ہے۔

اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ وہاں سے ایک شخص کا گزر ہوا، آپ نے فرمایا: اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ نے کہا: یہ تو ایسا ہے کہ اگر کسی کو پیغام دے تو نکاح ہو جائے، سفارش کرے تو قبول کر لی جائے اور اگر کوئی بات کہے تو مان لی جائے!! پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

پھر فقراء مسلمین میں سے ایک شخص کا گزر ہوا، تو آپ نے صحابہ سے کہا: اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ نے جواب دیا: یہ تو ایسا ہے کہ اگر کسی کو پیغام دے تو رد کر دیا جائے، سفارش کرے تو نہ مانی جائے اور اگر کوئی بات کہے تو ٹھکرا دیا جائے! تو نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: "**هذا خير من ملء الأرض مثل هذا**" (یہ فقیر اس جیسے دنیا بھر کے امیروں سے افضل اور بہتر ہے)۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

۶۔ مسلمان کو قدر امکان ان جگہوں سے دور رہنا چاہئے جہاں اُس کی شہرت ہو اور اپنی دینداری اور شہرت کی بنا پر اس کی خدمت کی جائے، جیسا کہ بعض سلف سے ثابت ہے۔

عبداللہ بن محیریز رحمہ اللہ ایک دانق (دینار کا چھٹا حصہ) لیکر ایک دوکان میں کپڑا خریدنے کی غرض سے داخل ہوئے، تو ایک شخص نے دوکاندار سے کہا: یہ عبداللہ بن محیریز ہیں، ذرا ان کا خاص خیال رکھنا! یہ سن کر ابن محیریز رحمہ اللہ سخت ناراض ہوئے اور دوکان سے نکل گئے، اور فرمایا: ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں، اپنے دین سے نہیں خریدتے (صفۃ الصفوۃ، ۴/۲۰۶)۔

۷۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ جاہ ومنزلت کی محبت نفس انسانی کی جڑ میں ہوتی ہے، لہٰذا یہ مال کی محبت سے بھی شدید تر ہے، کیونکہ مال کے حصول کے لئے تو محنت صرف کرنی پڑتی ہے، لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے، جیسے پوشیدہ خواہش بہت سے مخلصین سے مخفی رہا کرتی ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ سب سے اخیر میں جو چیز انسان کو صدیقین کی فہرست سے خارج کرتی ہے، وہ سرداری کی محبت ہے۔

۸۔ بندے کو چاہئے کہ اپنے نفس کو بے نیاز اور خود دار بنائے، اور لوگوں کی ملکیت سے بے لوث ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا:

"**استغنوا عن الناس ولو بشوص السواك**" (اسے امام بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے، صحیح الجامع، حدیث (۷۹۴)۔ مفہوم یہ ہے کہ مسواک کے دھوون یا مسواک کرتے وقت لعاب کے ساتھ نکلنے والے مسواک کے باریک ٹکڑوں سے ہی سہی لوگوں سے بے نیازی اختیار کرو اور دست سوال دراز کرنے سے گریز کرو)۔

مسواک کے دھوون (یا باریک ٹکڑوں) سے ہی سہی، اپنے آپ کو لوگوں سے بے نیاز کر لو۔

۹۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ جو آخرت کے شرف ونعمت کا خواہاں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی شرف وسعادت، پاکیزہ زندگی اور صالحین کی نگاہوں میں مقبولیت عطا فرماتا ہے، جبکہ قیامت کے روز اس کے لئے اللہ کی ذخیرہ کردہ نعمتیں دیگر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

{مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ} (سورۃ النحل: ۹۷)۔

جو مرد یا عورت نیک عمل کرے دراں حالیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے یقینا پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بہترین بدلہ بھی انہیں ضرور دیں گے۔

نیز ارشاد باری ہے:

{فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا} (سورۃ مریم: ۹۶)۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے اللہ رحمن محبت پیدا کر دے گا۔
یعنی مومنوں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا۔
اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:
"إن الله إذا أحب عبداً نادى جبريل: إني أحب فلاناً فيحبه جبريل ثم يحبه أهل السماء ثم يوضع له القبول في الأرض" رواه البخاري۔
بیشک جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو ندا دیتا ہے کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، تو جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور پھر دنیا میں اس کی مقبولیت عام ہو جاتی ہے۔
اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔
۱۰۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ پستی و بلندی عطا کرنے والا اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے، ارشاد باری ہے:
{ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ } (سورۃ آل عمران:۲۶)۔
آپ کہئے کہ اے اللہ! بادشاہت کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے اور جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔
اور اللہ عزوجل نے قیامت کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: {خافضة رافعة}۔ کہ قیامت پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہے۔
لہٰذا عزت دار وہ ہے جسے اللہ عزت عطا فرمائے اور ذلیل وہ ہے جسے اللہ ذلیل فرمادے۔

کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ألا إنما التقوىٰ هي العز والكرم
وحبك للدنيا هو الذل والسقم
وليس على عبد تقي نقيصة
إذا حقق التقوىٰ وإن حاك أو حجم

یاد رکھو! تقوی عزت و شرافت ہے اور دنیا سے تمہاری محبت ذلت و رسوائی ہے، اور متقی بندہ اگر واقعی تقویٰ شعار ہو تو کپڑے بُننا یا پچھنا لگانا بھی کوئی عیب و نقص کی بات نہیں۔
۱۱۔ مسلمان کو حسب امکان اپنی تعریف اور مدح و ستائش سننے سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔
۱۲۔ انسان کو جب بھی محسوس ہو کہ اس کی طبیعت جاہ و شہرت اور سرداری کی طرف مائل ہو رہی ہے تو اُسے نصیحت کرے، ڈانٹے اور اُسے اپنی حقیقت، فقر و محتاجگی اور کمزوری یاد دلائے اور یہ باور کرائے کہ اگر اللہ کا خاص فضل اور رحمت نہ ہو تو ان چیزوں کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:
{ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَداً وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ }۔
اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، جو شخص شیطانی قدموں کی پیروی کرے تو وہ تو بے حیائی اور برے کاموں کا ہی حکم کرے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے کر دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب سننے والا سب جاننے والا ہے۔

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

اجتماعیت کی اہمیت اوراس کے تقاضے

خطاب: حافظ عبدالحسیب عمری مدنی تلخیص: کاشف شکیل

اجتماعیت کا مفہوم : خود کو اوروں کے ساتھ ضم کرنے کا نام اجتماعیت ہے، آدمی یہ بھول جائے کہ وہ اکیلا ہے، اسے اس بات کا احساس رہے کہ میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہوں، جو میں نہیں کرسکتا وہ ہم کر سکتے ہیں، جو کام جماعت کے کرنے کا ہے اس کو میں کرنے کا حوصلہ نہ جتاؤں، انسان جماعت کے ساتھ چلے، جماعت کو ہمیشہ اپنے اوپر مقدم رکھے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں، بیرونِ دریا کچھ نہیں

اجتماعیت کی اہمیت قرآن کی روشنی میں : اسلامی شریعت کے بہت سے احکامات ایسے ہیں جن پر آدمی فرد کی حیثیت سے عمل نہیں کرسکتا جب تک کہ فرد اسے جماعت تک نہ لائے، اللہ تعالی نے فرمایا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (103:3)

اس میں اللہ نے تین باتوں کا حکم دیا ہے:

1۔اللہ تعالی کی رسی کو تھام لو

2۔ایک دوسرے سے مل کر یعنی جماعت کے ساتھ تھامو

3۔اور پھوٹ نہ ڈالو، افتراق وانتشار سے بچو

امام طبری اور امام قرطبی رحمہا اللہ نے "اللہ کی رسی" کی تفسیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ''اس سے کتاب اللہ یا مسلمانوں کی جماعت مراد ہے''۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ دونوں مراد ہیں اس لئے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے اندر داخل ہیں یعنی کتاب اللہ کی مکمل پیروی جماعت سے ہی جُڑنے میں ہے

دوسری جگہ اللہ نے فرمایا:

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (92:21)

یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے، اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

نیز ایک آیت میں یوں ہے۔

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (52:23)

یعنی تم میرا ہی تقوی اختیار کرو۔

مفسرین نے کہا ہے کہ ان دو آیتوں میں اللہ تعالی یہ پیغام دے رہا ہے کہ بحیثیت اُمت جب تک ہم اجتماعیت کا خیال نہیں رکھیں گے اُس وقت تک ہم کماحقہٗ عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتے اور نہ ہی تقویٰ کے اعلیٰ معیار کو پا سکتے ہیں۔

امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت "إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا" (120:3) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں" اگر تم

اجتماعیت کے ساتھ رہتے ہوتو یہودیوں کو برا لگتا ہے اور اگر تم افتراق وانتشار کا شکار ہوتے ہوتو یہودی خوش ہوتے ہیں"

یعنی اجتماعی مزاج کو نظر انداز کر کے اپنی انفرادی حیثیت کو پروان چڑھانے والا دراصل اسلام کا خادم نہیں بلکہ اپنے نفس کا خادم ہوتا ہے اور دشمنان اسلام کو خوش کرتا ہے، شریعت کی نظر میں اجتماعیت ایک مطلوب عمل ہے۔

اجتماعیت کی اہمیت حدیث کی روشنی میں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عليكم بالجماعة، وإياكم والفرقة ؛ فإن الشيطان مع الواحد، وهو من الاثنين أبعد، من أراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة"(سنن الترمذي2165وصححه الألباني)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک باتیں بتلائی ہیں:

1۔اجتماعیت بے انتہا ضروری ہے۔

2۔افتراق وانتشار سخت ممنوع ہے۔

3۔شیطان تنہا شخص کے ساتھ ہے یعنی جو اجتماعیت کو بھول جاتا ہے اور اپنی انفرادی شناخت بنانے کی فکر میں اجتماعیت سے کنارہ کش ہوجاتا ہے شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

4۔اجتماعیت سے شیطان دور بھاگتا ہے یعنی ایک سے دو ہوئے تو شیطان راہِ فرار اختیار کرنے لگتا ہے۔

5۔اجتماعیت سے جنت حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الإِنْسَانِ، كَذِئْبِ الْغَنَمِ، يَأْخُذُ الشَّاةَ الْقَاصِيَةَوَالنَّاحِيَةَ، فَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ، وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَالْعَامَّةِ، وَالْمَسْجِدِ"(مسند أحمد 22029)

''بے شک شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے، بھیڑیا (شیطان) اسی بکری (انسان) پر حملہ کرتا ہے جو ریوڑ (جماعت) سے ہٹ کر کنارے چلی جاتی ہے۔لہٰذا تم جماعت،عوام اور مسجد کو لازم پکڑو''۔

معلوم ہوا کہ اجتماعیت کو نظر انداز کر کے چلنے والا مزاج اسلامی شریعت کا مزاج نہیں ہے، **بعض لوگ امت کے تئیں اپنی ہمدردی میں بڑے مخلص ہوتے ہیں مگر انفرادی شناخت پیدا کرنے کے چکر میں اجتماعیت کے لئے مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔**

وضاحت:

اگر کوئی شخص کہے کہ ان سارے احکام پر عمل اس صورت میں مطلوب ہے جب پوری امت مسلمہ کا ایک امیر ہو۔تو یاد رہے کہ یقینا یہ ایک امام کے تابع اجتماعیت سے متعلق ہے مگر جہاں پورے مسلمانوں کا ایک امام نہ ہو اس مقام پر کم از کم یہ ہونا چاہئے کہ اس اختلاف کو جتنا ممکن ہو گھٹایا جائے، معتبر اہل علم میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ اجتماعیت کا کا خیال صرف مذکورہ بالا صورت میں رکھا جائے اور اگر مسلمانوں کا ایک امیر نہ ہو تو مسلمان جتنی چاہیں جماعتیں بنائیں۔اجتماعیت ہر حال میں مفید ہے اور افتراق وانفرادیت مضر۔

اجتماعیت کی اہمیت زمانہ جاہلیت میں:

زمانہ جاہلیت میں اجتماعیت اتنی اہم تھی کہ وہ اچھائی اور برائی ہر ایک میں اپنی جماعت اور اپنے قبیلے کا ساتھ دیتے، اگر کوئی

شخص بغیر قبیلے کے ہوتا تو اس کو پکڑ کر غلام بنا لیتے، آج مسلم نوجوانوں کو جس طرح حوالہء زنداں کیا جا رہا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نوجوانوں میں عام طور پر کچھ کر گزرنے کا جذبہ ہوتا ہے اور وہ دعوتی سرگرمیاں جماعت سے الگ ہو کر انفرادی طور پر کرنا چاہتے ہیں، اور ان پر ہاتھ ڈالنے والے جانتے ہیں کہ اُن کے پیچھے کوئی جماعت یا تنظیم نہیں ہے اور یہ بہت ہلکے اور بے وزن لوگ ہیں۔

انفرادی پہچان بنانے والا اپنے نفس کا خادم ہوتا ہے نہ کہ اسلام کا، اجتماعیت میں خیر ہی خیر ہے اور انفرادیت میں شر ہی شر، اِلا یہ کہ آپ تنہا کتاب وسنت کی تعلیم دینے والے ہوں۔

اجتماعیت کی اہمیت تاریخی واقعات کی روشنی میں:

1) 132ھ میں خلافت بنوامیہ کا زوال اسی افتراق کا نتیجہ تھا، حالانکہ بنوامیہ کی حکومت دو براعظموں پر تھی۔

2) اندلس میں مسلمانوں کی حکومت 711ء سے 1492ء تک رہی، آج کی سائنسی ایجادات اور انکشافات اسی دور کی رہین منت ہیں، یہ حکومت سائنس وٹیکنالوجی میں اپنا مقام رکھتی تھی مگر جب اجتماعیت کا فقدان ہوا تو اللہ نے ان کے ہاتھوں سے حکومت چھین لی۔

3) 656ھ میں خلافتِ عباسیہ کا زوال اسی انتشار کا شاخسانہ تھا۔ حالانکہ خلافت عباسیہ کی وسعت وعظمت یہ تھی کہ ہارون رشید بادل کو مخاطب کر کے کہتا کہ اے بادل تو چاہے جہاں برس، تیرا خراج میرے پاس ہی آئے گا۔

4) خلافت عثمانیہ (1299ء تا 1922ء) اپنے ہی باغیوں کے ذریعے اپنے انجام کو پہنچی۔

5) ہندوستان میں مسلمانوں نے 1206ء سے 1857ء تک حکومت کی مگر جب وہ طوائف الملوکی کا شکار ہوئے تو ان کے ہاتھوں سے حکومت کی باگ ڈور نکل گئی۔

وہیں دوسری اقوام کو دیکھیں، دوسری جنگ عظیم میں یورپ کا بہت نقصان ہوا انہوں نے اس سے سبق سیکھا اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ملا کر ایک یونین (اتحاد) بنایا، ان کے درمیان آپس میں ایسے گہرے سماجی، سیاسی اور اقتصادی تعلقات ہیں کہ وہ الگ الگ ہو کر بھی ایک ہیں۔

فرمانِ رسول ہے "السَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ" (صحیح مسلم 2645) یعنی جو دوسروں سے عبرت پکڑے وہی خوش قسمت ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور اجتماعیت کو یقینی بنائیں، افتراق و انتشار سے پرہیز کریں، اجتماعیت کے فقدان کی وجہ سے ہی ہم عالمی، قومی، صوبائی، ضلعی اور مقامی سطح پر نقصان اٹھا رہے ہیں۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

اجتماعیت کے تقاضے:

1۔ اجتماعیت کی اساس و بنیاد (کتاب وسنت) کی حفاظت کی جائے، اور اس کے تحفظ کا ایک باب یہ بھی ہے کہ جو ان بنیادوں سے اختلاف کریں انہیں ان بنیادوں کے تھامنے کی دعوت دیں۔

2۔ فقہی یا اجتہادی مسائل میں اگر دلیل کی بنیاد پر اختلاف ہوتا ہے (نہ کی مسلک اور عقلانیت کی بنیاد پر) تو ان کی بنیاد پر جماعت سے الگ ہو جانا جائز نہیں ہے۔ آپ اپنی ترجیح پر قائم رہیں مگر جماعت سے الگ نہ ہوں۔

ابن مسعود اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف تھا کہ منیٰ میں نماز قصر کر کے یعنی دو رکعت پڑھی جائے گی مگر جب عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں چار رکعت نماز پڑھائی تو صحابہ نے چار رکعت ہی پڑھی، ابن مسعود سے لوگوں نے کہا کہ آپ تو تاکید کے ساتھ قصر پڑھنے کا حکم دیتے ہیں پھر آپ نے ایسا کیوں کیا ؟؟ تو ابن مسعود نے جواب دیا:

"الخلاف شر" یعنی اختلاف برائی ہے۔(أبوداود 1963و صححه الألباني)

3۔اجتماعیت کا لازمی تقاضا ہے کہ عوام اور ماتحت لوگ اپنے امیر اور ذمہ داروں کے ساتھ خیر خواہی اور سمع و طاعت کا معاملہ کریں، افراد کے اندر اجتماعیت کا مزاج ہونا ضروری ہے، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کی تلوار سیدنا خالد بن ولید کو جو پوری کامیابی کے ساتھ فوج کی قیادت کر رہے تھے معزول کر کے امین الامۃ ابوعبیدہ بن جراح کو امیر الجیش بنا دیا خالد بن ولید کو پتہ چلا تو انہوں نے بلا چوں چرا فوراً مان لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: دین اللہ، اسکی کتاب، اسکے رسولوں اور امراء وعوام کے ساتھ خیر خواہی کا نام ہے(صحیح مسلم55)

واضح رہے کہ اجتماعیت میں امیر کا تقدس عہدے کا ہے نہ کہ شخصیت کا، یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے حبشی غلام کی بھی اطاعت کا حکم دیا ہے اگر وہ امیر بن جائے۔(بخاری7142)

4۔جس طرح عوام کے لئے ضروری ہے کہ اپنے امیر کے خیر خواہ ہوں اس سے کہیں زیادہ امیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی امت کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے۔

5۔امیر کو چاہئے کہ مشورے کی کیفیت اپنے اندر ضرور باقی رکھے، جب اللہ نے اپنے ہادی ومہدی نبی کو" و شاورهم في الأمر " (آل عمران 159) کہہ کر صحابہ سے مشورہ کا حکم فرمایا تو عام انسان مشورہ کا کتنا محتاج ہوگا، جن کا رشتہ آسمان سے جڑا تھا انہیں مشورہ کا حکم ہوا تو پھر دوسرے مشورے کے کس قدر محتاج ہیں ،شورائیت کے بغیر جو معاملات ہوتے ہیں وہاں آمریت (ڈکٹیٹر شپ) آجاتی ہے،مشورہ کی افادیت کے سلسلے میں حکماء کا قول ہے کہ ”جس نے معاملات کا تجربہ کیا ہو اس سے مشورہ لو اس لیے کہ وہ اس تجربہ کی گرانقدر قیمت چکا ہے مگر تمہیں مفت میں دے رہا ہے“۔

6۔شورائیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ جو مشورہ دیں اس پر ضرور بالضرور عمل ہو، اجتماعیت کا پہلا اصول یہ ہے کہ فرد اپنی رائے اور شخصیت کو بھول جائے ، اجتماعیت کے لیے خودشکنی اور خودفراموشی ضروری ہے، معاملات کے باب میں اگر کبھی جماعت اجتہاد کی بنیاد پر مرجوح رائے اختیار کر لے تب بھی اللہ چاہے تو اس میں خیر و برکت ڈال دیتا ہے جیسا کہ اسیرانِ بدر کے مسئلے میں ہوا۔ سیدنا عمر کی رائے یہ تھی کہ سب کو قتل کر دیا جائے اور بعد میں وحی آئی تو اللہ تعالی نے اسی رائے کی تائید بھی فرمائی مگر نبی کریم اور دیگر صحابہ کی رائے تھی کہ انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے ، یہ رائے قرآن کی رو سے بعد میں مرجوح قرار پائی لیکن اللہ نے اس میں خیر و برکت ڈال دیا، بعد میں اسیرانِ بدر کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہوئی اور ان سے اسلام کا کافی فائدہ ہوا۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے کلمے کو متحد کر دے اور ہمیں ہر قسم کے افتراق وانتشار سے محفوظ رکھے۔آمین۔

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

مسلمانوں کا عروج وزوال قرآن وسنت کی روشنی میں

اوراس عروج وزوال میں نوجوانوں کا کردار

محمد مقیم فیضی

جوانی کا دورابلتی ہوئی قوت اورامڈتے ہوئے جذبات کا دور ہوتاہےاوراگرصحیح تربیت سےان دونوں کومناسب رخ مل جائے توجوانی دنیائے انسانیت کے لئے باعث رحمت بن جاتی ہےاور اگرمعاملہ برعکس ہوتوتخریب انسانیت کاسب سےسیاہ عہدبھی یہی ہوتاہے۔بیشک کسی بھی امت میں نوجوان ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوا کرتے ہیں اوراس کا اٹھان اورعروج انہیں کے کاندھوں پر ہوتاہے،مگریہ حقیقت بھی روزروشن کی طرح واضح ہے کہ نوجوانوں کے جذبات کوتعمیری رخ دینے کے لئے بزرگوں کی حکمت اوران کے افکاراورتجربوں کی روشنی بھی لازم ہوتی ہےاورطرفین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے بے نیازنہیں ہوسکتاہے۔امت اسلام جوقیامت تک باقی رہنے والی رسالت کی حامل ہےاورجسے سیادت وقیادت کے مقام پراس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ اس دین رحمت سے معزز ومکرم ہوئی تھی، اس میں سیدالمرسلین محمد ﷺ تشریف لائے تھے۔اس دعوت مبارکہ کے دوراول ہی سے اس میں نوجوانوں کا کردارنمایاں رہاہےجبکہ ارشادورہنمائی کی مسند صدارت پر ہمیشہ بزرگان ملت جلوہ افروز رہے ہیں جونوجوانوں کی قوت اورجذبات کوصحیح رخ دینے کے لئے سدافکرمنداورکوشاں رہے ہیں،اس کاروان فلاح انسانیت کا آغازمحمد بن عبداللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی قیادت میں ہوا اور سارے اخیار وصالحین انہیں کے جھنڈے کے نیچے رواں دواں ہوئے، اسلام کی پہلی حکومت وسلطنت قائم ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دور دراز کے گوشوں تک پھیلتی چلی گئی، اس معمورے کے بیشتر خطوں میں اسلامی علم اونچے سے اونچا لہراتارہا، اسلام کے مختلف ادوار میں نوجوان ہی بفضلہ تعالیٰ اس کی شوکت وعظمت کے رکھوالے اوراس کی آن پرجان لڑانے والے تھے، دیار ملت اسلامیہ کا دفاع زبان وبیان سےبھی اورسیف وسنان سےبھی کیا کرتے تھے،علم وعمل کا پیکر تھے،وہ صرف رزم گاہوں کےصف شکن اوراگلی صفوں کے جانبازنہیں تھے بلکہ انھوں نےعلم کےحلقوں کوآبادکرنے اور مشائخ اسلام کی نشستوں سےاستفادے کے لئےجھلستی دھوپ اور گرم گرم بگولوں کےتھپیڑکھائے تھے،حکمت کی تلاش اوردانائی کی جستجومیں دیاروامصارکی خاک چھانتے پھرتے تھے،ہرشہراوربستی کے علماء سے ان کا علم حاصل کرتے تھے، ان کے اخلاق سے مستفید ہوتے تھے، ان کے نصح وارشادکوگرہ سے باندھتے تھے، اسلام اوراس کےقوانین کےعملی نفاذاورپیروی پرمشتمل ان کےمنہج حیات کے تجربوں اور ان کی کاوشوں کے ثمرات سے استفادہ کرتے تھے۔

اسی لئے جہاں ان نوجوانوں میں ایک طرف فتح وکامرانی کے جھنڈے گاڑنے والے سالاران لشکر تھےوہیں ان میں تبلیغ اسلام کرنے والے دعاۃ الی اللہ کے قافلے بھی رواں دواں تھے جو اسلام کی جاں نوازتعلیمات سے ایک عالم کا دل ودماغ روشن کررہے تھے۔ان میں فقہاء ومحدثین کی جماعتیں بھی تعلیم وتربیت کے مراکزمختلف شہروں اوربستیوں میں آبادکرکے قال اللہ وقال الرسول وقال الصحابۃ کے پیغامات نشرکررہی تھیں اورامت کی رائے عامہ کونضج وپختگی کے مراحل سےگزارکر

اوج ثریا تک لے جارہی تھیں۔ ان میں بڑے بڑے تجار بھی تھے جو کارہائے دین وملت میں لکھ لٹ تھے، اور سماجی فلاح وبہبود اور رفاہ عام کے حیرت انگیز کارنامے انجام دے رہے تھے۔ الحمدللہ ان نوجوانان اسلام کی تاریخ کا صفحہ صفحہ روشن ہے۔

پھر تاریخ کی کروٹوں میں کردار گم ہونے لگے، عقیدہ ومنہج پر عجمی افکار کی چھاپ پڑی، ابلیسی شبہات نے وسوسے جگائے، فکری توازن ڈگمگا گیا، ہوائے نفس کی پیروی شروع ہوئی، نعمتوں کی فراوانی نے عیش کوشی اور آرام طلبی کی راہ پر ڈالا، ایوان اقتدار میں دنیا کے لئے تنافس شروع ہوا، علمی دانش کدے اور خانوادے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اختلافات نے سر اٹھائے، تنازعات کھڑے ہوئے اور فرقے پیدا ہوتے چلے گئے، امت گروہوں میں بٹ کر باہم دست وگریباں ہوگئی اور بتدریج غربت اسلام کے ماحول کی طرف بڑھتی رہی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

مگر یہ بھی امت مسلمہ کی خوش قسمتی اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ ملت ہر ابتلا وآزمائش کے بعد ایک نئی آن بان کے ساتھ منظر عام پر آتی رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "لايزال الله يغرس فى هذا الدين غرسا يستعمله في طاعته" اللہ تعالیٰ اس دین میں ہمیشہ نئی نئی پود کھڑی کرتا رہتا ہے جسے اپنی طاعت کے کاموں میں لگا دیتا ہے۔ (ابن ماجه، الصحيحة للالباني:۲۴۴۲)

اور فرمایا: "مثل أمتي مثل المطر لايدرى أوله خير أم آخره؟" میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا اول بہتر ہے کہ آخر۔ (احمد، ترمذی، الصحيحة:۲۲۸۵)

اور فرمایا: "في كل قرن من امتي سابقون"

(دیکھئے: الصحيحة للالباني:۲۰۰۱)

میری امت کی ہر صدی میں سابقین ہیں۔ (یعنی اپنے اپنے دور میں اللہ کے لئے اور اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے اور دین کی خدمت کرنے میں ایسے ہی پیش پیش ہوں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے سابقین تھے)

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : "اس حدیث میں امت محمدیہ کے لئے عظیم بشارت ہے کہ اس میں اللہ کے احکام کیلئے کام کرنے والے ہر صدی میں بالاستمرار رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: (ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ) (فاطر:۳۲) "پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں۔ یہ بڑا افضل ہے"۔

کسی ایک صدی کو چھوڑ کر دوسری صدی کے لئے نہیں ہے بلکہ قیامت کے قائم ہونے تک تمام زمانوں کے لئے عام ہے..." (مقدمہ سلسلہ صحیحہ ج۵)

اس لئے آجکل امت اگر چہ بڑے ہی دیگر گوں حالات سے گزر رہی ہے، اس پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، دنیا کے متعدد خطوں میں اس کا قتل عام ہورہا ہے، اعدائے اسلام کے لئے وہ تر نوالہ ثابت ہورہی ہے، وہ ہر طرف سے اس پر یلغار کئے چلے آرہے ہیں، بہت سے تماشائی اس کے حال زار پر مگرمچھ کے آنسو بھی بہاتے ہیں، کچھ صیاد اپنے صید کو مرہم لگا کر اور اسے کچھ دانہ پانی دیکر واہ واہی بھی لوٹتے ہیں، یہ سب کچھ ہورہا ہے۔ مگر اس میں سے کچھ بھی نہ تو تاریخ عالم کے لئے نیا ہے نہ مسلم امت کی یہ انوکھی مصیبت وآزمائش ہے۔

دراصل دنیا میں یہی سب ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا، دنیا اللہ نے ابتلا وآزمائش کے لئے ہی بنائی ہے، یہاں حق وباطل کا تصادم کائنات میں انسان کی آمد بلکہ اس سے پیشتر ہی سے جاری

ہے۔ اس کے لئے (يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ) (توبہ:۱۱۱) کا نظام بنایا گیا ہے، اور جب فی سبیل اللہ قتال نہیں ہوتا اور سب ایک ہی رنگ میں رنگ جاتے ہیں، اور اللہ کیلئے رگوں میں خون کی حرارت وروانی منجمد ہوجاتی ہے، اور سب اللہ کی رضامندی کی بجائے اپنی رضا اور خواہش کیلئے جینے لگتے ہیں تو ماضی کی تاریخ بتاتی ہے کہ عام عذاب آجاتا تھا، اور پوری پوری بستی کا صفایا ہوجاتا تھا، ان میں گنتی کے صرف وہی لوگ بچتے تھے جو اگرچہ سماج ومعاشرے کی نگاہ میں ''اراذل'' کمین اور ''بادی الرائے''، سطحی فکر کے حامل لوگ ہوتے تھے، مگر اللہ کی نگاہ میں یہی قابل زیست اور قابل تکریم ہوتے تھے۔ اور چونکہ ان کی افرادی اور مادی قوت اتنی کمزور ہوتی تھی کہ ان سے (یقاتلون) کا مطالبہ بھی نہیں تھا اس لئے ان کی صرف دعوت اور تربیت ہی مقبول تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بھی مذکورہ ضابطے اور سنت سے مستثنیٰ نہیں کیا ہے، اس کے عروج وزوال کی داستان ہر ایک کے اعمال واوصاف کے ساتھ پہلے ہی کھول کر بیان کردی گئی ہے اور عزت وکامرانی کے ضابطے بھی پوری وضاحت کے ساتھ اسے عطا کردیئے گئے ہیں۔

- **اگر اللہ کی مدد اور فتح چاہیے تو :**

(كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ) (صف:۱۴) اللہ کے مددگار بن جاؤ۔

(اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ) (محمد:۷) اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔

(وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ) (حج:۴۰) اللہ تعالیٰ یقیناً ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے، بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست وغالب ہے۔

- صرف زبانی جمع خرچ اور تمناؤں سے کوئی اللہ کا مددگار نہیں بن سکتا اس کیلئے اللہ کو حسب ذیل اوصاف مطلوب ہیں:

(اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ) (الانفال:۷۲)

- ایمان (اپنے تمام تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ)
- ہجرت (اپنے تمام معانی کے ساتھ)
- جہاد (اپنی تمام معنویتوں اور بلندیوں کے ساتھ اور رفعت مقاصد کے جلوں میں)
- ایوا (ایمان والے بھائیوں کو ٹھکانا فراہم کرنا، انسانیت کی اعلیٰ قدروں، خلوص ومحبت اور ایثار وتواضع کے ساتھ)
- نصرت (دین کا عملی نفاذ، دین کے لئے جانی ومالی قربانی، ایمان والوں کا مادی ومعنوی تعاون اور ان کی بے غرض منصفانہ حمایت)

ان اوصاف کے ساتھ یہ مومنین باہمی رشتہ الفت ومودت میں ایک دوسرے سے ایسے منسلک ہوجاتے ہیں جو اپنی گہرائی اور وسعت میں بیمثال ہوتا ہے اور سب کی زندگی کا مقصد ایک یعنی اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے اور اس وقت انہیں اللہ کی محبت اور رضامندی حاصل ہوجاتی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ کے لئے ہوتی ہے اور دنیا سے زیادہ آخرت کے لئے ہوتی ہے۔ مگر دنیا میں بھی غلبہ وتمکین انہیں کو حاصل ہوتا ہے۔

مگر اس غلبہ وتمکین کی بقا کے لئے بھی کچھ لوازمات ہیں جنھیں یوں بیان کیا گیا ہے : (اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ) (الحج:۴۱) ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے''۔

زجاج فرماتے ہیں : یہ اس کے ناصرین (مددگاروں) کی صفت ہے۔ مفسرین کے مطابق تمکین فی الارض کا مطلب یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے گا، معروف کا مطلب لا الہ الا اللہ، اور منکر کا مطلب شرک ہے۔(زاد المسیر لابن الجوزی:۲۴۱/۳)

مفسر آلوسی راغب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فعل صلاۃ کی تعریف فرمائی ہے یا اس کی ترغیب دی ہے وہاں اس کا تذکرہ اقامت صلاۃ سے کیا ہے مصلیان (نماز پڑھنے والے) نہیں فرمایا ہے، ہاں یہ لفظ منافقوں کے متعلق ضرور استعمال کیا ہے: (وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ) خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے۔ اور لفظ اقامت کی تخصیص سے اس بات کی تنبیہ مطلوب ہے کہ فعل صلاۃ (نماز ادا کرنے) کا مقصد اس کے تمام حقوق وشرائط کی تکمیل ہے محض شکلی طور پر اسے پڑھ لینا مراد نہیں ہے، اسی لئے مروی ہے کہ نماز پڑھنے والے تو بہت ہیں مگر نماز قائم کرنے والے تھوڑے ہیں۔

اور زکاۃ دیں گے میرے بندوں کی مدد کے لئے، اور معروف کا حکم دیں گے۔ اور ہر وہ چیز جس کی اچھائی شریعت اور عرف میں معروف ہو وہی معروف ہوتی ہے، اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور ہر وہ چیز جو اہل علم اور عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک بری ہو وہی منکر ہے۔(روح البیان:۴۱/۶)

- معروف و منکر کی تعیین میں اصل شریعت ہی ہے۔
- امت کا خسارہ سب سے پہلے نماز کی کوتاہیوں ہی سے شروع ہوتا ہے۔ جو درحقیقت غور کرنے پر عقیدے کے خلل ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : (فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا)(مریم:۵۹) ''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز ضائع کردی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا''۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : ''جب اللہ تعالیٰ نے خوش بختوں کا ذکر کرلیا، یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا جو اللہ تعالیٰ کے حدود واحکام کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں، اس کے فرائض کے ادائیگی کرنے اور اس کے زواجر (ممنوعات ومنہیات) کو ترک کردینے والے ہوتے ہیں تو ان کے بعد ایسے ناخلف لوگوں کا تذکرکیا ہے جو بعد کے زمانوں میں آتے ہیں کہ وہ نماز کو ضائع کردیتے ہیں۔ اور جو لوگ نماز کو ضائع کردیتے ہیں وہ دیگر واجبات کو تو اور زیادہ ضائع کردینے والے ہوتے ہیں کیونکہ نماز ہی تو دین کا ستون اور جوہر ہے، اور بندوں کے اعمال میں سب سے بہتر عمل ہے۔ اور پھر یہ لوگ دنیا کی شہوتوں اور لذتوں کی طرف مائل ہوجاتے ہیں، دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہوجاتے ہیں۔ تو یہی لوگ عنقریب روز قیامت کا خسارہ اٹھائیں گے۔(تفسیر ابن کثیر:۲۴۳/۵)

- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسی ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں : ساٹھ سال کے بعد ناخلف لوگ ہوں گے جو نماز کو ضائع کردیں گے اور خواہشات کی پیروی کریں گے، یہی لوگ روز قیامت کا خسارا اٹھائیں گے، پھر ان کے بعد جو ان کے جانشین ہوں گے وہ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اور قرآن کو تین طرح کے لوگ پڑھیں گے: مومن، اور منافق اور فاجر۔

بشیر کہتے ہیں : میں نے ولید سے پوچھا : ان تینوں کی کیا تفصیل ہے؟ تو انھوں نے فرمایا : منافق تو اس کا منکر ہوتا ہے، اور فاجر اسے کھانے کمانے کا ذریعہ بنالے گا اور مومن اس پر ایمان رکھے گا۔(مسند احمد:۳۸/۳)

خوب یاد آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ : ''اكثر منافقی أمتی قراؤھا'' میری امت کے اکثر منافقین اس کے قراء حضرات ہوں گے (یعنی قرآن کو پڑھنے لکھنے والے مولوی صاحبان)(صحیح الجامع) اس پر ان شاء اللہ ہم آنے والی سطور میں گفتگو کریں گے۔ پہلے اس آیت کے مفہوم کی تکمیل کرلیں)۔

● شہوات کی پیروی کے متعلق ابو سلیمان دمشقی فرماتے ہیں : شہوات کی پیروی مثلاً : گانا سننا، شراب پینا، زنا کرنا اور کھیل تماشے وغیرہ میں مشغول ہوجانا ہے۔ اور اسی طرح کے دیگر کام کرنا ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ (زادالمسیر : ۱۳۸/۳)

● اسی موضوع سے متعلق ایک دوسری حدیث بھی ہے جو ان الفاظ میں ہے :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی امت میں جو بھی نبی بھیجا ان سب کے کچھ حواری (حمایتی و مددگار، اعوان وانصار) اور اصحاب ہوا کرتے تھے جو ان کی سنتوں پر عمل کرتے تھے اور ان کے احکام کی پیروی کیا کرتے تھے، پھر ان کے بعد کچھ ناخلف لوگ پیدا ہوجاتے رہے جو ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ خود نہیں کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو بھی ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ اپنی زبان سے جہاد کرے وہ (بھی) مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے وہ (بھی) مومن ہے (مگر) اس کے بعد ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (مسلم: ۸۰)

امت کے صالحین اور محبوب لوگوں کا وصف بتایا کہ وہ نبی کی سنتوں اور اس کے احکام کے پیروی اور ان پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں یعنی ان کا امتیاز ایمان ویقین اور عمل ہوتا ہے جبکہ امت کے برے منحرف اور مبغوض لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ صرف زبانی جمع خرچ کرنے والے الفاظ کے بازیگر ہیں یعنی وہ لفظوں کا شیش محل تیار کرتے اور ڈھاتے رہتے ہیں، جن کاموں کا مطالبہ دوسروں سے کرتے ہیں خود ان کی زندگی میں اس کا دور دور تک کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، وہ دوسروں سے ہر وقت بڑے بڑے منصوبوں کی تکمیل چاہتے ہیں، ان کے لئے ان کے پاس ڈھیروں اور لاتعداد مشورے اور مطالبے ہوتے ہیں وہ پانی پی پی کر انہیں کوستے اور طعنے دیتے ہیں، اٹھ اٹھ کر اور بیٹھ بیٹھ کر انہیں صلواتیں سناتے ہیں، لفظوں کے تیر ونشتر سے ان کا کلیجہ چھلنی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں مگر خود اتنے زود رنج اور نازک مزاج ہوتے ہیں کہ معمولی نصیحتیں اور گزارشات بھی انہیں اپنے اوپر کوڑے کی طرح محسوس ہوتی ہیں اور وہ سانپ کی مانند اپنے ناصح کے خلاف بل کھاتے ہوئے پھن کاڑھے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور کام ایسے کرتے ہیں جن کا انہیں شرعی فرمان کے مطابق حکم نہیں ملا ہوتا ہے، بس ان کا فاسد نفس جس طرف کے تقاضے کرتا ہے اسی طرف چل پڑتے ہیں، غیر مفید کاموں میں اپنی قیمتی عمر کے گرانقدر لمحات بری طرح گنوا دیتے ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ شریعت کے احکام سے ان کا کوئی تعلق اور لینا دینا نہیں ہوتا ہے بس یہ نفسانی خواہشات کے قیدی اور غلام ہوتے ہیں، ان کو آپ تعمیری کاموں اور امت کے فلاح وبہبود کے کاموں میں شاید وباید ہی کبھی شریک کار دیکھیں گے۔ یہ محض اپنے بطون وفروج کے لئے ہی جیتے ہیں اور ملت کے غم میں ٹسوے بہاتے رہتے ہیں۔ اور کام کرنے والوں کی راہ میں ہمیشہ روڑے اٹکاتے رہتے ہیں۔ اور یہ لوگ کسی خاص گروہ یا جماعت یا کسی خاص شہر یا ملک ہی میں نہیں پائے جاتے بلکہ ملت میں ہر جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔

رسول گرامی کا ارشاد ہے کہ ہر طرف سے ایسے لوگوں کی گھیرا بندی ہونی چاہیے اور ہر طرح کی توانائیاں ان کے خلاف لگادینی چاہیے۔ کیونکہ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ پوری امت کو لے ڈوبیں گے۔

اب آیئے اس امت کے قتل عام اور اس کی ذلت کے جو اسباب بعض احادیث مبارکہ میں بیان کئے گئے ہیں ان پر بھی فی الحال ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں حالانکہ وہ عمیق غور وتدبر کی متقاضی ہیں۔

● حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : ''قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ ہرج

بڑھ جائے، لوگوں نے پوچھا : اے اللہ کے رسول! ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل، قتل۔ (مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

● اور بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ : ''قیامت کے روبرو ہرج کے ایام ہیں، ان میں علم زائل ہوجائے گا اوران میں جہالت پھیل جائے گی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ہرج حبشہ کی زبان میں قتل کو کہتے ہیں۔

● حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : قیامت کے روبرو ہرج ہوگا، لوگوں نے کہا: ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: قتل، لوگوں نے کہا: اس سے بھی زیادہ جتنا ہم قتل کرتے ہیں، ہم تو ایک ہی سال میں ستر ہزار سے زائد کو قتل کردیتے ہیں؟ فرمایا: اس قتل سے مراد تمہارا مشرکوں کو قتل کردینا نہیں ہے، بلکہ تم میں سے بعض کا بعض کو قتل کردینا مراد ہے۔ لوگوں نے کہا: اور ان دنوں ہماری عقلیں ہمارے ساتھ ہوں گی؟ آپ نے فرمایا: اس زمانے کے اکثر لوگوں کی عقلیں کھینچ لی جائیں گے، اور کوڑا کرکٹ لوگ رہ جائیں گے۔ ان میں سے اکثر لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ کسی چیز پر ہیں، حالانکہ وہ کسی چیز پر نہیں ہوں گے۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، صحیح الجامع: ۱۱۱۹۔ ۷۰۴۲)

اور ابن ماجہ کی روایت میں فرمایا کہ یہاں تک کہ آدمی اپنے پڑوسی کو، اپنے چچازاد بھائی کو اور اپنے قرابتداروں کو قتل کرے گا۔

● یقیناً جب جہالت اور لالچ کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان عقل سے عاری ہوجاتا ہے اور اپنی خواہشات کے پیچھے دیوانہ ہوکر عجیب وغریب حرکتوں کا مرتکب ہوتا ہے مگر اس کے باوجود عجب اورغرور کا شکار ہوکر خود کو عقلمند اور برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھتا ہے۔

● حضرت ثوبان کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ... یقیناً میرے رب نے فرمایا: اے محمد جب میں کوئی فیصلہ کرلیتا ہوں تو اسے رد نہیں کیا جاتا ہے، اور میں انہیں (یعنی آپ کی امت کو) عام قحط سالی میں ہلاک نہیں کروں گا، اور نہ ان پر ان کے اپنوں کے سوا (باہر کا) کوئی دشمن مسلط کروں گا جو ان کا کلی صفایا کردے یا ان میں سے اکثر کو ختم کردے خواہ وہ ان کے خلاف دنیا کے تمام گوشوں سے جمع ہوکر آجائے یہاں تک کہ خود انہیں میں کے بعض بعض کو ہلاک کریں اور یہاں تک کہ خود انہیں میں کے بعض بعض کو قیدی بنائیں، مجھے تو اپنی امت پر بس گمراہ کرنے والے پیشواؤں کا ڈر ہے۔ اور جب میری امت میں (یعنی اسے قتل کرنے کیلئے) تلوار رکھ دی جائے گی تو اسے قیامت تک نہ اٹھایا جائے گا، اور قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکوں سے جاملیں (یعنی انہیں جیسے مشرکانہ کام کرنے لگیں) اور یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔ (ابوداود: ۴۲۵۲، البانی نے صحیح کہا ہے)

● اس حدیث سے حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں :

۱۔ باہر کے دشمن کو امت پر کوئی بڑا غلبہ اپنے بل بوتے پر نہیں حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ ان کی غیر معمولی اور بہت بڑی تباہی کا باعث بن سکے۔

۲۔ ہاں یہ کام امت میں شامل افراد یا گروہ ایک دوسرے کے خلاف کرسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ دشمنان ملت ان کا اس سلسلے میں بھاری تعاون کریں جس کے نتیجے میں امت کا بڑا خون خرابہ ہو۔

۳۔ امت کی تلوار قیامت تک ایک دوسرے کے خلاف چلتی رہے گی اور کسی نہ کسی خطے میں یہ کام ہوتا ہی رہے گا۔

۴۔ یہ امت شرک اور بت پرستی کرے گی اور اگر پچھلی امتوں کے متعلق سنت الٰہیہ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بھی کھل جائے گی کہ یہی شرک ان کے درمیان بڑی خونریزی اور تباہی کا باعث ہوگا۔

۵۔ گمراہ کرنے والے ائمہ اور پیشوا جلتی پر تیل کا کام کریں گے اور اپنی بدعتوں اور گمراہیوں سے امت کو ہلاکت اور تباہی سے دوچار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی باہمی آویزشوں اور خونریزیوں میں اضافہ کرتے جائیں گے اور اس کا سلسلہ دراز

ہوتا جائے گا۔

● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا نہ جائے گی یہاں تک کہ لوگوں پر وہ دن آجائے کہ قاتل کو یہ پتہ نہ ہو کہ اس نے کیوں قتل کیا ہے نہ مقتول کو یہ معلوم ہو کہ اسے کیوں قتل کیا گیا ہے؟ سوال ہوا : ایسا کیونکر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ فتنے کا وقت ہوگا۔ قاتل ومقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔(مسلم)

آج یہ حدیث امت پر کیسی چسپاں نظر آرہی ہے، انسانی جان کی کوئی قدر وقیمت نہیں رہ گئی ہے، بات بات پر گولیاں چل رہی ہیں، دھماکے ہورہے، خطرناک قسم کی اندھا دھند بمباری ہورہی ہے اس کے پیچھے اندھی خواہشات اور خونریزی کے جذبے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوچکی ہے۔ ہر طرف سطحی سوچ اور اوچھے مفادات کام کرتے نظر آرہے ہیں۔

اس قتل وخونریزی کا ایک پہلو یہ بھی ہے جو حسب ذیل حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس پر بھی غور ہونا چاہیے :

● حضرت ابوبردہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں زیاد کے عہد امارت میں ایک دفعہ بازار میں کھڑا تھا کہ میں نے تعجب سے اپنے ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو مارا، تو انصار کے ایک صاحب نے جن کے والد کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل تھی فرمایا: ابوبردہ! آپ کو تعجب کس بات پر ہے؟ میں نے کہا: مجھے تعجب اس قوم پر ہے جس کا دین ایک، نبی ایک، دعوت ایک، حج ایک اور غزوہ ایک ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کا خون حلال کئے ہوئے ہے۔ انھوں نے فرمایا: تعجب نہ کیجئے، میں نے اپنے والد سے سنا ہے انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

”ان امتی امة مرحومة، لیس علیها فی الآخرة حساب ولا عذاب، وانما عذابها فی القتل والزلازل والفتن“۔ ①

① (”مستدرک حاکم“(۴/ ۲۵۳-۲۵۴)، اور کہا صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے: ”سلسلة الاحادیث الصحیحیة“(م ۲/ ۶۸۴-۶۸۶))

میری امت امت مرحوم ہے اس پر آخرت میں کوئی حساب اور عذاب نہیں ہے اس کا عذاب تو بس قتل، زلزلوں اور فتنوں میں ہے۔

وفی روایة عن ابی موسی: ”ان امتی امة مرحومة لیس علیها فی الآخرة عذاب، انما عذابها فی الدنیا: القتل، والبلابل، والزلازل“۔ ②

② (مسند امام احمد (۴/ ۴۱۰)، بهامشه منتخب الکنز) حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے: صحیح الجامع الصغیر، (۲/ ۱۰۴) (ح ۱۷۳۴) و ”سلسلة الاحادیث الصحیحة“(م ۲/ ۶۸۴)(ح ۹۵۹))

ایک روایت میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”میری امت امت مرحوم ہے اس پر آخرت میں کوئی عذاب نہیں ہے اس کا عذاب تو بس دنیا میں ہے: قتل، غمگین کرنے والی آفتیں اور زلزلے“۔ **(جاری ہے)**

(بقیہ صفحہ 48 کا)

....." توحید اور آج کا مسلمان" کے موضوع پر تقریر کی، 8/فروری کو 3 نمبر کھاڑی، کرلا (ویسٹ) میں دیوبندی حضرات کے ذریعے منعقد کیے گئے ایک جلسے میں" نشہ اور آج کا مسلم نوجوان" کے موضوع پر خطاب عام کیا، 10/فروری کو مسجد عمر فاروق، نارائن نگر (کرلا ویسٹ، گھاٹ کوپر) میں" مسلم سماج کیسا ہو؟" کے موضوع پر تقریر کی، 18/فروری کو مسجد اہل حدیث، اُون پاٹیا (سورت، گجرات) میں خطاب کیا اور 23/فروری کو مسجد اہل حدیث، بھساول میں خطبے کے فرائض انجام دیے۔ ❖ ❖ ❖

آئینۂ جمعیت وجماعت

جماعتی خبریں

دفتر صوبائی جمعیت

اجلاس مجلس شوریٰ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی مجلس شوریٰ کا ایک اہم اجلاس فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ وتولاہ امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی صدارت میں مورخہ ۳/ فروری ۲۰۱۸ء بروز سنیچر بمقام جامع مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگر کرلا (ویسٹ) بوقت بعد نماز عصر منعقد ہوا مدعو ممبران کی اکثریت شریک اجلاس ہوئی۔ الحمدللہ تلاوت کلام پاک سے اجلاس کی شروعات ہوئی اور حسب ایجنڈا ایک خوشگوار ماحول میں گفتگو شروع ہوئی اور مختلف جماعتی وتنظیمی امور پر سیر حاصل بحث ہوئی اور ملکی وغیر ملکی تشویش ناک وحساس مسائل پر بھی تبادلۂ خیال ہوا اور متعدد مسلم ممالک بالخصوص شام اور فلسطین وغیرہ پر مسلط خونریزی پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا۔ ان سب کے لئے امن وامان وعافیت کی دعائیں بھی کی گئیں۔

تمام شرکاء اجلاس نے امیر محترم کی قائدانہ صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے پورے عزم وحوصلے کے ساتھ جماعتی کاموں میں ان کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ اور انہیں یقین دلایا کہ پوری مجلس شوریٰ اور جماعت ان کے ساتھ ہے اور ذمہ داران جمعیت کے متعلق اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے تعاون کا بھرپور یقین دلایا۔ اور اخیر میں جماعت کی بزرگ وعلمی شخصیت وصوبائی جمعیت اہل حدیث کے نائب امیر فضیلۃ الشیخ مولانا الطاف حسین فیضی حفظہ اللہ کی مختصر جامع نصیحت اور دعاؤں پر مجلس کے اختتام کا اعلان ہوا۔

صوبائی جمعیت کی دعوتی سرگرمیاں

شیخ محمد مقیم فیضی۔حفظہ اللہ۔ نے 9/ فروری کو جمعیت اہل حدیث بھیونڈی کے دفتر میں "جامعۃ التوحید" کے متعلق ہونے والی میٹنگ میں شرکت کی اور شرکاء نشست سے خطاب کیا، 11/ فروری کو جمعیت اہل حدیث بھیونڈی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس بنام "اتحاد امت کانفرنس" میں خطاب کیا، نیز کانفرنس کی پہلی نشست میں صدارت کے فرائض بھی انجام دیے، 17/ فروری کو نور باغ کوسہ ممبرا میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں "ایمانی تربیت کی اہمیت" کے موضوع پر آپ کا بیان ہوا، 18/ فروری کو گوونڈی ڈاکٹر حسین نگر کی سیرت نبوی کانفرنس کی صدارت کی اور اس میں خطاب بھی کیا۔

شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی۔حفظہ اللہ۔ نے 11/ فروری کو جمعیت اہل حدیث بھیونڈی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس بنام" اتحاد امت کانفرنس" میں" مسلمانوں کی ترقی میں تجارت کا حصہ۔ماضی۔حال۔مستقبل" کے موضوع پر خطاب کیا، 18/ فروری کو جلیل کمپاؤنڈ، دھاراوی میں" دعوت حق کانفرنس" میں" تحفظ شریعت، کیوں اور کیسے" کے موضوع پر تقریر کی اور 25/ فروری کو اُورن (پنویل، مہاراشٹر) میں آپ نے ایک دینی جلسے میں خطاب کیا۔

شیخ سرفراز فیضی ۔ حفظہ اللہ۔ نے 25/ فروری کو کوکنی شادی ہال، نالاسوپارہ میں" اتحاد تعلیمی کانفرنس" میں" مخلوط تعلیم اسلام کی نظر میں" کے موضوع پر خطاب کیا۔

شیخ کمال الدین سنابلی۔حفظہ اللہ۔ نے 4/ فروری کو شکر محلہ مسجد، نالاسوپارہ میں ضلعی جمعیت اہل حدیث، پالگھر کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنس بنام "جستجوئے حق کانفرنس" میں" شرک کی قباحت" کے موضوع پر خطاب کیا، 5/ فروری کو مسجد اہل حدیث، دھاراوی میں.....

(بقیہ صفحہ 47 پر)

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
March 2018

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمد للہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کررہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

- ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈبل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- ہر ماہ الجماعہ کی اشاعت۔
- مفت کتابوں کی تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

Published by :
SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com